احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جولائی 2021ء

حج کی اہمیت و فضیلت

قربانی کا حقیقی مقصد اور حکمت

عبادات و معاملات میں حسن و نظم کا اہتمام

مدارسِ دینیہ کے نصاب میں جمود کی وجوہات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

سیرت و سوانح

سیّد السادات شیخ المشائخ قدوۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سیّدنا طاہر علاءالدین القادری الگیلانی البغدادی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

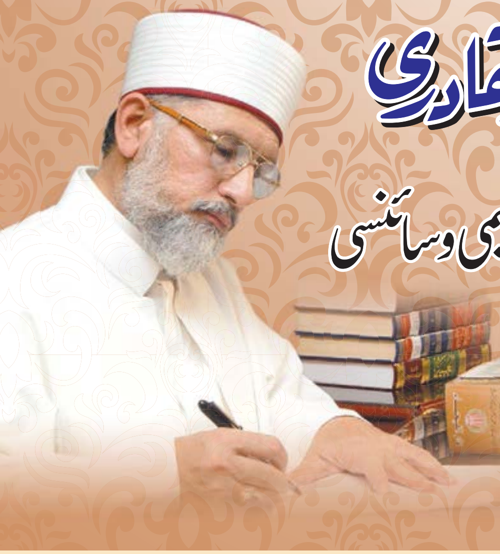

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی
فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری
موضوعات پر 600 سے زائد کتب

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 35 شمارہ: 7 | ۱۴۴۲ھ ذوالقعدہ/ذوالحج | جولائی 2021ء

بفیضان نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ

زیر نگرانی

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ

محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا

عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت

خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم

جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان

منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: مدارسِ دینیہ کے نصاب میں جمود کی وجوہات	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست: سوم، حصہ: 7)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	11
الفقہ: حج کی اہمیت و فضیلت	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	15
قربانی کا اصل مقصد اور حکمت	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	18
عبادات و معاملات میں حُسن و نظم کا اہتمام	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	24
سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانیؒ حیات و تعلیمات	شہزاد رسول قادری	29
شیخ الاسلام کا علمی اور روحانی مقام	محمد شفقت اللہ قادری	34
نظامتِ تربیت کے زیرِ اہتمام آن لائن کورسز (رپورٹ)	علامہ محمود مسعود قادری	38

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info

www.facebook.com/minhajulquran

email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)

minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)

smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم | گرافکس عبدالسلام

خطاطی محمد اکرم قادری | عکاسی قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 35 روپے | سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

تری رحمت کے گلشن میں درخشندہ ہے مَن میرا
ترے اَذکار پر واری سدا حسنِ سخن میرا

ترے لطف و کرم کی روشنی اتری ہے دھڑکن میں
تری رحمت نے روشن کر دیا دل کا چمن میرا

تری حمد و ثنا کی کہکشاں بستی ہے سوچوں میں
تری یادوں سے روشن ہے تخیّل کا گگن میرا

تری شانِ کریمی دیکھتا ہوں زندگانی میں
تری حمد و ثنا میں جذبۂ دل ہے مگن میرا

مری سوچوں کی ہر وادی میں جلوہ ہو ترے گھر کا
تری یادوں سے تابندہ ہو ہر لحظہ چلن میرا

قلم کی نوک پر ابھریں ہمیشہ حمد کے غُنچے
تری رحمت سے مہکا ہو سخن کا پیرہن میرا

مہک تیری عبادت کی رہے انجم کی فطرت میں
تری تحمید سے غافل نہ ہو مالک بدن میرا

﴿ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

رحمتوں کی بھیک دے، جود و کرم کی بھیک دے
یارسول اللہؐ! الطاف و نعم کی بھیک دے

دشتِ غربت میں رہوں کب تک یونہی بے برگ وبار
میرے نخلِ جاں کو ماحولِ حرم کی بھیک دے

میں نہیں طالب جہاں میں وسعتِ افلاک کا
اپنی الفت سے غنی کر، سوزِ غم کی بھیک دے

شربتِ دیدار سے جاں پائے گی صبر و قرار
باعثِ تسکینِ جاں چشمِ کرم کی بھیک دے

دل کی خالی جھیل میں گوہر عطاؤں کے اتار
کورِ چشمی کو مری نورِ شیم کی بھیک دے

جو تری مدحت کرے، آٹھوں پہر وہ دے زباں
جو تری نعتیں لکھے ایسے قلم کی بھیک دے

میں ترے در کا گدا ہوں اس لیے میں نے یہ نعت
جس محبت جس عقیدت سے رقم کی، بھیک دے

باعثِ اعزاز ہے آصفؔ کو تمغہ فقر کا
سرفرازی کے لیے خاکِ قدم کی بھیک دے

﴿پیر آصف بشیر چشتی﴾

اداریہ

اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

عدل کے بغیر کوئی ملک اور معاشرہ اپنا اخلاقی وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ناانصافی اور ظلم سے انتشار، ہیجان، بے یقینی، مایوسی، اشتعال ،فساد فی الارض، انتہا پسندی ، تشدد اور پھر دہشت گردی جنم لیتی ہے۔دنیا کا کوئی بھی معاشرہ ہو وہاں پر قانون ہاتھ میں لینے والے،قانون کو توڑنے والے، کمزور کا استحصال کرنے والے اور اپنے مفادات کے لئے کمزور کی جان تک لے لینے والے افراد، گروہ اور عناصر پائے جاتے ہیں۔ ایسے درندہ صفت عناصر اور گروہوں کی حیوانی اور خون آشام خواہشات کے سامنے قانون اور ریاست ڈھال بنتی ہے۔آج کل ریاستِ مدینہ کے انتظامی ماڈل کا بہت تذکرہ ہے۔ اگر میثاقِ مدینہ کی جملہ شقوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میثاق کی روح لاء اینڈ آرڈر کو برقرار رکھنا اور انسانی جان کا تحفظ کرنا ہے۔ میثاقِ مدینہ کی بنیاد انسانیت کے تحفظ اور بقاء کی فکر پر رکھی گئی۔ اس معاہدے میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب بھی شامل تھے، اس لئے یہ کائنات کا پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے جس میں انسانی جان کے تحفظ، قانون کی بالادستی اور انصاف کی فراہمی کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔

اسلام وہ واحد ضابطۂ حیات ہے جس نے انسانی جان کے تحفظ کے لئے اخلاقی تعلیمات بھی دیں اور تعزیری احکامات بھی دیئے۔ جدید جمہوری نظام اور جمہوری اقدار میں بھی انصاف کی فراہمی اور انسانی جان کے تحفظ کو اولین ترجیح دی گئی ہے کیونکہ یہ دو ایسے انسانی، سماجی اور اخلاقی امور ہیں جن سے انحراف کر کے ایک متوازن انسانی سوسائٹی کو پروان نہیں چڑھایا جا سکتا اور جب بھی کوئی گروہ اپنی افرادی قوت، وسائل یا طاقت کے زعم میں کسی کا حق سلب کرتا ہے تو مظلوم کی مدد کے لئے سب سے پہلے قانون پہنچتا ہے۔ جب مظلوم کو طاقتور کے مقابلے میں قانون کی مدد نہیں ملتی تو کمزور بے بسی اور اشتعال کا شکار ہوتا ہے اور سوسائٹی کا انتظامی انفراسٹرکچر اپنی اخلاقی اہمیت اور افادیت کھو دیتا ہے۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الحجرات (آیت:۹) میں انصاف کی اہمیت اور ناگزیریت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔‘‘ سورۃ المائدہ (آیت:۸) میں فرمایا: ’’اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو! بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے‘‘۔ معلوم ہوا کہ عدل کرنا حبِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور تقویٰ کی علامت ہے۔ نظامِ انصاف میں منصف کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ انصاف کا عمل منصف کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’سات طرح کے انسانوں کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جب کہ اس دن عرشِ الٰہی کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان میں ایک امامِ عادل ہے (یعنی انصاف کرنے والا حکمران یا قاضی ہے)۔‘‘ (صحیح بخاری)

سانحہ ماڈل ٹاؤن ایک ایسا اندوہناک واقعہ ہے جس میں طاقت کے نشے میں دھت حکمرانوں نے اپنا تخت بچانے کے لئے نہتے اور پرامن شہریوں کو خون میں نہلایا۔ خواتین کو گولیوں سے چھلنی کیا گیا۔ چادر اور چار دیواری کے تقدس کو بری

طرح پامال کیا گیا۔ اس سارے ظلم و بربریت کا ازالہ بشکل انصاف ریاست اور قانون نے کرنا تھا مگر افسوس سانحہ ماڈل ٹاؤن کے حوالے سے ریاست اور قانون مظلوم کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔ تنزیلہ امجد شہید کی بیٹی بسمہ امجد نے چیف جسٹس پاکستان اور وزیراعظم پاکستان سے خط لکھ کر کہا ہے کہ میری والدہ اور میری پھوپھو کو شہید کر دیا گیا، اس کا مجھے انصاف کیوں نہیں مل رہا؟ ایک اسلامی معاشرے کے اندر قوم کی ایک بیٹی 7 سال سے انصاف کے لئے قانون کی مدد مانگ رہی ہے مگر قانون خاموش اور مصلحتوں کا شکار ہے۔ صرف اس لئے کہ اس انصاف کی زد میں جو لوگ آرہے ہیں، وہ طاقتور اور بااثر ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب کمزور جرم کرتا تو اسے سزا دیتے اور طاقتور کوئی خطا و جرم کرتا تو اسے معاف کر دیتے''۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 7ویں برسی کے موقع پر پریس کانفرنس کرتے ہوئے اہم نکات پر گفتگو فرمائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سپریم کورٹ کے لارجر بنچ کے سامنے حکومت نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کی ازسرِنو تفتیش کے لئے جے آئی ٹی بنائی۔ جب جے آئی ٹی نے اپنا سارا کام مکمل کر لیا تو ایک ملزم کانسٹیبل کی درخواست پر اس جے آئی ٹی کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ جے آئی ٹی کی رپورٹ عدالت میں پیش ہوگی تو ٹرائل شروع ہوگا اور انصاف کا عمل ٹریک پر آئے گا۔ کتنی بدقسمتی اور بدبختی کی بات ہے کہ پاکستان کی تاریخ کے بدترین قتلِ عام کے شہداء کے ورثاء مسلسل 7 سال سے غیر جانبدار تفتیش کا حق مانگ رہے ہیں۔ آخر انصاف کی راہ میں کون حائل ہے؟ کون نہیں چاہتا کہ سانحہ کے ذمہ دار کیفر کردار کو پہنچیں؟

شیخ الاسلام نے ایک اور بہت اہم بات کی کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے انصاف کے لئے پاکستان کی 3 طاقتور شخصیات نے انصاف کی فراہمی کی یقین دہانی کروائی مگر انصاف عنقا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ سپریم کورٹ کے لارجر بنچ نے ہمیں کہا تھا کہ آپ کا غیر جانبدار تفتیش والا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا ہے، لہٰذا اب آپ احتجاج کی بجائے قانونی عمل کا حصہ بنیں اور اپنی ساری توجہ عدالتی کارروائی پر مرکوز رکھیں، انصاف عدالتوں نے دینا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو آج بھی اس کمٹمنٹ کو نبھا رہے ہیں مگر انصاف کی فراہمی والی کمٹمنٹ پوری نہیں ہوئی۔ شیخ الاسلام نے تحریک انصاف کی موجودہ حکومت کے حوالے سے بھی کچھ اہم باتیں کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جو کیسز عدالتوں میں ہیں ان کا فیصلہ عدالتوں نے کرنا ہے۔ حکومت عدالتوں کو ڈکٹیشن نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے ہم وکلاء کے ذریعے قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں مگر وہ ایف آئی آرز جو سابق حکمرانوں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف نے انتقامی کارروائیوں کے لئے بے گناہ کارکنان اور قائدین کے خلاف درج کروائی تھیں، وہ ختم کیوں نہیں ہو رہیں؟ وہ ایف آئی آرز تو ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے ختم ہو سکتی ہیں۔

شیخ الاسلام کا کہنا تھا کہ سابق حکمرانوں نے جھوٹی ایف آئی آرز کی تلوار انتقامی کارروائیوں کے لئے کارکنوں کے سروں پر لٹکائی تھیں۔ موجودہ حکمرانوں نے یہ ایف آئی آرز کن مقاصد کے لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں؟ اس کے علاوہ انہوں نے موجودہ حکمرانوں سے ایک اور سوال بھی کیا کہ سابق دورِ حکومت میں بھی سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ملزمان کو ترقیاں اور پسندیدہ پوسٹنگز اور ٹرانسفرز مل رہی تھیں، وہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ وزیراعظم عمران خان صاحب کہا کرتے تھے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کا کیس اتنا واضح ہے کہ اس کا انصاف ایک مہینے کے اندر ہو سکتا ہے مگر اب تو ان کی حکومت کو بھی تین سال بیت گئے ہیں اور سانحہ کے مظلوم انصاف سے محروم ہیں۔ (چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

مدارسِ دینیہ کے نصاب میں جمود کی وجوہات

صراطِ مستقیم کی پہچان بننے والے افراد کی تیاری میں نظامِ تعلیم کا مرکزی کردار ہے

عصری تقاضوں کے برعکس مدارسِ دینیہ معین نصاب تک محدود ہو کر رہ گئے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا قومی کانفرنس سے علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین..........معاون: محبوب حسین

حصہ سوم

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

’اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ‘. (الفاتحه، ۱: ۵،۶)

”ہمیں سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا“

پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سیدھی راہ کی طلب کی دعا سکھائی اور دوسری آیت کریمہ میں وہ سیدھی راہ جس کے ساتھ ہدایت کو مشروط کیا گیا ہے اسے متشخص اور متعین کرنے کے لیے فرمایا کہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی راہ صراطِ مستقیم ہے۔ گویا اللہ رب العزت نے صراطِ مستقیم کے ٹائٹل کو شخصیاتِ مقدسہ کے ساتھ متعین کردیا۔

لازمی بات ہے کہ یہ شخصیاتِ مقدسہ تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوں گی تو تب ہی امتِ مسلمہ کی رہنمائی و اصلاح کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوسکیں گی۔ اس وقت دنیا میں کوئی مرکز اور مقام ایسا نہیں ہے جہاں ایسے افراد تیار کیے جاسکیں جو اللہ کے انعام یافتہ بندے کہلائیں اور صراطِ مستقیم کی پہچان بن سکیں۔

صراطِ مستقیم کی پہچان بننے والے ایسے افراد کی تیاری میں نظامِ تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نظامِ تعلیم کا مرکزی نقطہ ”شخصیت سازی“ ہے کہ ہر حوالے سے ایک کامل شخصیت تشکیل پائے۔ اس تناظر میں تعلیم و تربیت کے مراکز جو مسجد، مدرسہ، خانقاہ، درس گاہ اور تربیت گاہ کی صورت میں موجود ہیں، ان تمام کا مقصود ایک ایسی شخصیت تشکیل دینا ہے جو آج کے زمانے، نسل، معاشرے اور طالبانِ حق و ہدایت کو درکار ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو شخصیات ہمیں مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کی صورت میں قائم تعلیم و تربیت کے مراکز سے درکار ہیں، کیا ان اداروں سے ایسی شخصیات وجود میں آرہی ہیں یا نہیں؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو گویا ہم صحیح سمت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ہمارا فوکس ٹھیک ہے لیکن اگر ان مراکز سے ایسی شخصیات وجود میں نہیں آرہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان مراکز میں کہیں کوئی کمی، کمزوری اور نقص ہے جسے ہمیں تلاش کرنا ہے۔

مدارسِ دینیہ کی تاریخ اور اس کے نصاب کا جائزہ لینے سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ مدرسہ جو کسی زمانے میں ہمہ جہتی کردار کا حامل تھا، افسوس کہ آج بہت پیچھے رہ گیا اور دنیاوی تعلیم کے ادارے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز آگے بڑھ گئیں۔ جدید انسانی زندگی، معاشرے اور زمانے سے متعلق علوم سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے پاس چلے گئے جبکہ مدارس صرف معین نصاب تک محدود ہوکر رہ گئے۔ نتیجتاً حقیقی حاملینِ علم کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور منشاء کے مطابق جو قدرو منزلت تھی، وہ بحال نہ ہوسکی۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ عہد نبوت سے لے کر پونے تین سو سال قبل تک کبھی دینی مدارس کا صرف یہ مقصد نہیں رہا کہ یہاں سے پڑھ کر نکلنے والے لوگ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مناکحات و معاملات، نکاح، طلاق، وراثت، جنازہ، نمازِ

☆ (مقام: مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن)، (تاریخ: 17 مارچ 2021ء)

عیدین اور فقہ کے دیگر مسائل جاننے والے ہوں۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سامراج کے دور میں اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف ایک سازش کے تحت دینی نصاب میں جمود طاری کردیا گیا جبکہ عصری نصاب میں تحرک جاری رکھا گیا۔

جن مدارس میں دینی نصابات عصری تقاضوں کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، وہاں سے نکلا ہوا عالم، محقق، محدث، مفسر، فقیہ، مجتہد کبھی زمانے سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔ ہر زمانے کے تقاضے بدلنے کی وجہ سے نصابات بھی بدل جاتے اور وہ نصاب عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا اور اس میں تحرک قائم رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مدارس سے امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام غزالی، ابنِ سینا، ابن الہیثم، فارابی، رازی اور نامور محدث و ائمہ نکلے اور یہ تمام اپنے اپنے زمانے میں علمی معیارات میں سب سے آگے تھے اور اسی سبب ان کی عزت و تکریم ہوتی تھی۔

برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں رائج نصاب کا پس منظر یہ ہے کہ جب تاتاری آئے اور چنگیزی اور ہلاکو خان کے فتنے نے وسط ایشیاء، وراء النہر اور خراسان کے علاقوں کو تباہ کردیا تو وہاں سے علماء و مشائخ ہجرت کرکے ہندوستان آگئے۔ ان کے پاس علامہ سعدالدین تفتازانی اور میر سید شریف جرجانی اور اس زمانے کی کتابیں تھیں، جو یہاں کی ضروریات کے مطابق یہاں کے نصاب میں شامل ہوگئیں اور پھر بعد ازاں یہ نصاب وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتا رہا۔

1947ء تک جو نصابات یہاں رائج تھے، وہ اپنے زمانے کی عصریات کے مطابق سو فیصد صحیح تھے۔ مثلاً: فلسفہ، منطق، علم الحساب، جیومیٹری، علم الہندسہ، علم الطب، علم نجوم اور فلکیات وغیرہ ان سارے علوم میں سے ایک علم بھی دینی علوم کا حصہ نہیں تھا بلکہ یہ سب علومِ عصریہ ہونے کے باعث علوم اسلامیہ میں شامل تھے۔ اسی طرح ادب، شعرو شاعری، لٹریچر یہ مضامین بھی علومِ شریعہ میں سے نہیں ہیں مگر عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مضامین بھی مدارس میں پڑھائے جاتے تھے۔

آج سے سات سو سال قبل تک ہمارے ہاں مسجد کا کردار اس ضمن میں خاص اہمیت کا حامل رہا۔ ابن بطوطہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ہندوستان آئے تو دہلی میں دو سو مساجد اور دو ہزار سے زائد روحانی خانقاہیں تھیں۔ اس زمانے میں خانقاہ کا معنی صرف مزار نہیں بلکہ تربیت گاہ ہوتا تھا، جہاں لوگ علمی، فکری، عصری اور روحانی تعلیم و تربیت کے لیے آتے تھے۔ یہ طرزِ عمل آج سے سات سو سال قبل ہمارے ان اسلاف کا تھا جن سے ہم نے نسل در نسل علمی، فکری اور روحانی ورثہ لیا ہے۔ یہ ہستیاں تعلیم و تربیت پر اتنا فوکس کیا کرتی تھیں کہ صرف دہلی کے اندر تقریباً بائیس سو تربیت گاہیں؛ مساجد اور خانقاہوں کی شکل میں موجود تھیں جہاں طلبہ کے علم و فکر کو پروان چڑھانے کے ساتھ ساتھ اخلاق اور سیرت سنوارنے کے لیے بھی تربیتی اسباق پڑھائے جاتے۔

سو اس زمانے میں مدارسِ دینیہ کے نصاب میں اپنے زمانے کے مطابق تحرک رہا اور سب مضامین برابر چلتے رہے مگر ایک سازش کے تحت جب یہ اسلوب رک گیا تو جمود طاری ہوگیا۔ دوسری طرف سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب میں تحرک و ارتقاء جاری رکھا گیا اور اس میں وقتاً فوقتاً نئی ترامیم ہوتی رہیں تاکہ ان اداروں سے پڑھ کر نکلنے والے گریجوایٹ نئی عصریات کے مطابق ڈھل سکیں، کیونکہ انہیں سلطنت دینی تھی۔ گویا جنہیں سلطنت دینی تھی، انہیں دین سے نکالنا اور دین سے دور رکھنا تھا اور جنہیں دین کا علم دینا تھا، انہیں سلطنت اور معاشرے کی باعزت پوزیشن سے دور رکھنا تھا تاکہ وہ صرف مخصوص اور محدود ماحول کی خدمات انجام دینے کے قابل رہ جائیں اور معاشرے میں بھرپور طریقے سے کردار ادا نہ کرسکیں۔

افسوس! دینی مدارس اور دینی تعلیم سے متعلق کچھ اذہان جو اس سازش کا شکار ہوئے، انہوں نے جدید علوم و فنون اور زبانوں کو اپنے نصابِ دینیہ میں عملاً حرام کردیا، نتیجتاً تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے معاشرے میں علماء اور اہلِ علم پیچھے رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس طبقہ کو معاشرے میں وہ مقام اور جگہ نہیں ملتی تو وہ غصے اور انتہا پسندی کے ساتھ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سازش کے تحت دینی مدارس نے دو سو سال گزارے ہیں نیز چونکہ اس نصاب میں آسانی بھی ہے، سالہا سال ایک

ہی چیز پڑھنی پڑھانی ہے اور کوئی نئی کتابیں اور مضامین شاملِ نصاب نہیں ہونے تو پھر انسانی طبائع بھی سہولت پسند ہوجاتی ہیں اور اسی میں آسانی محسوس کرتے ہوئے اسی نصاب کو قائم رکھتی ہیں۔ اس سوچ کے تحت درسِ نظامی کے موجودہ مروّجہ نصاب کو بغیر کسی تبدیلی کے دو صدیاں بیت گئیں۔

نظام المدارس پاکستان کے نصاب کی اہم خصوصیات

مدارسِ دینیہ کے قیام اور اس کے نصاب کی تاریخ، غرض و غایت، موجودہ نصاب کی صورتِ حال اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ذیل میں نظام المدارس کے نصاب کا تعارف، تفردات اور افادیت کو بیان کیا جارہا ہے کہ نظام المدارس پاکستان کا نصاب کن خوبیوں اور خصوصیات کا حامل ہے؟

۱۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہم نے نظام المدارس پاکستان کے نصاب کو مرتب کرتے ہوئے درس نظامی کے موجودہ نصاب میں کوئی کمی بیشی یا تبدیلی نہیں کی بلکہ انہی علوم وفنون کو آج کے دور کے جدید مناہج اور اسالیب کے ساتھ جوڑتے ہوئے خلاء کو ختم کیا ہے اور جہاں جہاں کمی تھی، وہاں مضامین کا اضافہ کیا ہے۔

اس اضافہ کی نوعیت یہ ہے کہ درسِ نظامی کے موجودہ نصاب میں 8 سالوں میں 20 مضامین پڑھائے جاتے ہیں جبکہ ہم نے موجودہ 20 مضامین کو قائم رکھتے ہوئے، ان میں مزید 18 مضامین کا اضافہ کرکے 38 مضامین کو ایک ترتیب کے ساتھ نظام المدارس پاکستان کے نصاب کا حصہ بنایا ہے۔

۲۔ دیگر وفاق اور بورڈز نے اپنے ہاں رائج درس نظامی کا نصاب چھ سے آٹھ صفحات پر مشتمل ایک مختصر سے کتابچہ کی صورت میں شائع کیا ہوا ہے جو online بھی دستیاب ہے۔ اس میں نصاب کی زیادہ تفصیلات اور جزئیات درج نہیں ہیں، جبکہ نظام المدارس پاکستان کا نصاب 128 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ایک ایک جزو کو تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ اس نصاب کے پہلے تقریباً 45 صفحات تعلیمی اوقات کار، کتب کی تقسیم، امتحانات اور دیگر شرائط و ضوابط پر مشتمل ہیں جبکہ تقریباً 80 صفحات صرف نصاب کی تفصیل پر ہیں۔

۳۔ اس نصاب میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ نصابی کتاب مکمل پڑھائی جائے گی یا اس کا کچھ منتخب حصہ پڑھایا جائے گا؟ ہر ہر کتاب سے جو باب اور فصل پڑھنی ہے، اس باب اور فصل کا عنوان تک واضح کردیا ہے تاکہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کو اس حوالے سے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

۴۔ اس نصاب کا اول سے آخر تک ایک نظم ہے۔ ہر مضمون کے ساتھ ضروری کتب برائے مطالعہ اور ان کے مطالعہ کی ہدایات بھی درج کردی ہیں۔

۵۔ کسی مضمون سے متعلقہ وہ کتب جو باقاعدہ نصاب میں شامل نہیں ہیں، ان کتب اور ان کے مصنفین کا تعارف نصاب میں شامل کردیا ہے تاکہ اساتذہ ان کتب کو متعارف کروائیں اور طالب علم کا ان کے ساتھ تعلق قائم کریں تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ ان کتب سے استفادہ کرسکے۔

۶۔ نظام المدارس پاکستان کے نصاب کی انفرادیت بایں طور بھی واضح ہوتی ہے کہ عام مدارس کے 8 سالہ کورس میں پڑھائی جانے والی درسی کتب کی تعداد 63 سے 68 تک ہے جبکہ اس تعلیمی دورانیہ میں اس مضمون سے متعلقہ دیگر کتب سے طالب علم کو آشنا نہیں کروایا جاتا اور وہ ان کے تعارف سے محروم رہ جاتا ہے۔

نظام المدارس پاکستان کے تحت پڑھائی جانے والی درسی کتب کی تعداد 145 ہے۔ گویا ان کتب کی تعداد دیگر وفاق اور بورڈز کی درسی کتب کی تعداد کے دوگنا سے بھی زیادہ ہے۔

۷۔ نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں درسی کتب کے مطالعہ کی معاونت کے طور پر مزید 96 کتب شامل ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے اساتذہ اور طلبہ درسی کتب میں موجود مباحث کو بآسانی اور وسیع تناظر میں سمجھ سکیں گے۔

۸۔ شاملِ نصاب علوم و فنون کی مزید 135 کتب کے اسلوب اور مباحث سے بھی طلبہ کو متعارف کروایا جائے گا تاکہ طلبہ کا ان کتب کے ساتھ ایک تعلق قائم ہو۔

الغرض ہر ہر مضمون کے موضوعات کے تعارف کے لیے درجنوں کتابیں شامل کردی ہیں تاکہ طالب علم جب 8 سال کے بعد الشهادة العالمية کی سند لے کر نکلے تو وہ قدیم و جدید، ظاہر و باطن اور علم وحلم کے ہر میدان میں مسلح ہو، اس

کے پاس دلائل ہوں اور وہ معاشرے میں اعتدال کو فروغ دیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان طلبہ و علماء کی اپنی طبائع میں بھی اعتدال و توازن موجود ہو۔

۹۔ کل 376 کتب نظام المدارس کے نصاب میں شامل ہیں جن میں سے درسی کتب کی تعداد 145 ہے۔۔۔ درسی کتب سے متعلقہ معاون کتب برائے مطالعہ کی تعداد 96 ہے۔۔۔ اور نصاب میں شامل علوم و فنون اور مضامین سے متعلقہ کتب برائے تعارف کی تعداد 135 ہے۔ یہ کتب 8 سال کے دورانیہ میں طالب علم پڑھے گا، ان کی ابحاث، مضامین اور عناوین سے شناسا ہوگا، نتیجتاً اس کے علم و فکر میں وسعت پیدا ہوگی۔

۱۰۔ نظام المدارس کے مکمل نصاب کو قابلِ عمل بنایا گیا ہے۔ ہر چیز کے نقشے بنادیئے ہیں، پڑھنے پڑھانے کا اسلوب واضح کردیا ہے، ایک Scheeme of study دے دی ہے کہ 8 سال کے دوران پڑھائے جانے والے 38 مضامین میں سے کون سے مضامین کس سال پڑھنے ہیں۔۔۔؟ حتیٰ کہ فیصد اور تناسب کے اعتبار سے بھی ترتیب دی ہے کہ کس مضمون کو کتنا فیصد وقت ملنا ہے۔۔۔؟ ہفتے میں کل اسباق اور کل لیکچرز کتنے ہوں گے۔۔۔؟ کس کتاب کے کتنے ابواب اور اجزاء پڑھنے ہیں۔۔۔؟ الغرض پہلے سال سے لے کر آٹھویں سال تک ہر چیز کو متعین کردیا ہے اور پورا کا پورا نظام قابلِ عمل بنادیا گیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اساتذہ اور طلبہ نصاب سے مکمل آگاہ ہوں۔ کسی مضمون کو جب استاد پڑھائے تو اپنی مرضی کے ساتھ نہ پڑھائے بلکہ نصاب کے مطابق پڑھائے اور اس انداز سے پڑھائے کہ وقت کے اندر اندر تمام نصاب کا احاطہ ہوسکے اور کوئی چیز رہ نہ جائے۔

۱۱۔ نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں مروّجہ کتب کے علاوہ مزید جن کتب کا اضافہ کیا گیا ہے ان میں یہ احتیاط برتی ہے کہ وہ کتب شاملِ نصاب کریں جو پاکستان میں آسانی سے دستیاب ہوں۔ ہمارے ہاں جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن میں بہت زیادہ کتب ایسی پڑھائی جاتی ہیں جو پاکستان میں میسر نہیں، مگر صرف ایک ادارہ ہونے اور محدود تعداد ہونے کی بناء پر ان کتب کو ان طلبہ کے لیے مہیا کرنا ہمارے لیے آسان ہے۔ وہ کتب عرب ممالک سے یا دنیا کے جس ملک سے شائع ہوئی ہوں، ہم منگوالیتے ہیں اور طلبہ کو کسی نہ کسی صورت میں مہیا کردیتے ہیں مگر یہ اصول نظام المدارس پاکستان میں نہیں چل سکتا تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں تمام طلبہ کو وہ کتب مہیا کرنا، ہمارے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم نے فقط وہ کتب شاملِ نصاب کی ہیں جو پاکستان میں دستیاب ہیں تاکہ کتب کے حصول میں دشواری نہ ہو۔

۱۲۔ نظام المدارس کے تحت چلنے والے اداروں کے اساتذہ کو برائے مطالعہ ضروری کتب مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ وہ صرف منتخب کتب کا ہی مطالعہ نہ کریں بلکہ جو کتب اس مضمون سے متعلقہ ہیں اور اس مضمون پر نئے اسلوب و نئے منہج پر آئی ہیں، ان کا مطالعہ بھی کرسکیں تاکہ ان کا نظم بڑھے، تنقیدی وسعت میں اضافہ ہو اور دورِ حاضر کے ساتھ ان کی مطابقت پیدا ہو۔

۱۳۔ نظام المدارس پاکستان کے تحت کئی ایسے مضامین بھی شامل نصاب ہوں گے جو Online پڑھائے جائیں گے اور جیسے جیسے طلبہ کی صلاحیت میں ارتقاء ہوگا، ویسے ویسے مرکز سے عرب شیوخ اور دیگر سکالرز کے لیکچرز Online نشر کیے جائیں گے۔

۱۴۔ اساتذہ کی Training کے لیے وقتاً فوقتاً شارٹ کورسز بھی کروائے جائیں گے تاکہ نئی کتب پڑھانے کے لیے ان کی استعداد میں اضافہ ہوسکے اور انھیں نئے اسالیب سے واقفیت ہوسکے۔

۱۵۔ اساتذہ کو ڈویژن اور ضلع وائز ریفریشر کورسز کروائے جائیں گے اور ان کی کمپیوٹر لرننگ سکلز میں اضافہ کیا جائے گا۔ الغرض علوم و فنون کے مآخذ اور مصادر تک رسائی اور تعلیمی و تدریسی رہنمائی کے لیے ہر ذریعہ بروئے کار لایا جائے گا۔

مدارسِ دینیہ کے نصاب میں نئے مضامین کے اضافہ کی ضرورت کیوں؟

جیسا کہ پہلے بیان کرچکا ہوں کہ نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں دیگر وفاق کے تحت پڑھائے جانے والے 20 مضامین کو قائم رکھتے ہوئے مزید 18 مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان کل 38 مضامین کو پڑھانے کے لیے درسی کتب اور

کتب برائے مطالعہ و برائے تعارف کی تعداد 376 ہے۔ ان تمام کتب کی تفصیل نظام المدارس پاکستان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اس موقع پر ہر ایک مضمون اور ان درسی اور کتب برائے مطالعہ کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے نصاب میں جن مضامین اور کتب کا اضافہ کیا گیا ہے، ان پر بات کروں گا کہ ان مضامین کے اضافہ کی ضرورت کیوں ہے؟

ا۔ ترجمہ قرآن اور تفسیر

نظام المدارس پاکستان کے نصاب کا سب سے اہم ترین حصہ یہ ہے کہ 8 سالوں میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ شاملِ نصاب کیا گیا ہے۔ دیگر دینی مدارس کے نصاب میں تفسیر بیضاوی، جلالین یا دوسری تفاسیر کے کچھ منتخب حصے پڑھادیئے جاتے تھے مگر ترجمہ اور علوم قرآن پر کوئی زور نہیں تھا۔ نتیجتاً ہمارے طلبہ جب مدارس سے عالم بن کر نکلتے ہیں تو وہ علوم القرآن میں مہارت تو بڑی دور کی بات علوم القرآن سے شناسائی تک سے محروم ہوتے ہیں۔ بعد ازاں جب یہ مسجد میں امام اور خطیب مقرر ہوتے ہیں تو اپنے وسائل کے مطابق کتبِ تفسیر خرید کر پڑھنا یا نہ پڑھنا ان کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے یا پھر اردو کی ذیلی کتابیں پڑھتے ہیں اور اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں لیکن مدرسہ ان کو تفسیر کے سمندر میں غوطہ زن نہیں کرتا۔

ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہمارے طلبہ جب عالم بن کے نکلتے ہیں تو علوم القرآن، تفسیر، تاریخ تفسیر اور علوم الحدیث میں کمزور ہوتے ہیں، فقہ اور اصول فقہ مناسب حد تک پڑھ لینا کافی نہیں کیونکہ آج زمانہ قرآن و سنت کی بات پوچھتا ہے۔ اسی مقصد کے تحت نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں کثیر تفاسیر شاملِ نصاب ہیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید کے پارے اور سورتیں آٹھ سالوں میں تقسیم کرکے مختلف تفاسیر کے ساتھ پڑھائے جائیں گے۔ گویا قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر خازن، المظہری، بیضاوی، جلالین اور بہت سی دیگر تفاسیر کو یکجا کرکے تفسیر قرآن کے علوم کا دائرہ وسیع کردیا ہے تاکہ 8 سال مسلسل طالب علم علوم القرآن کے ساتھ متمسک رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تاریخِ تفسیر کو بھی ایک نئے مضمون کے طور پر شاملِ نصاب کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی تمام 114 سورتوں کا تعارف بھی شاملِ نصاب کیا ہے تاکہ سورتوں کی تفسیر کے ساتھ ان کے تعارف سے بھی طلبہ آگاہ ہوں۔ مزید یہ کہ علوم القرآن کے لیے امام سیوطی کی ’’الاتقان‘‘ اور امام زرکشی کی ’’البرہان‘‘ کو شاملِ نصاب کیا ہے۔ 8 سالوں میں علوم القرآن اور تفاسیر سے متعلق ترجیحاً وہ کتب رکھی ہیں جن کے اردو تراجم دستیاب ہیں تاکہ جب تک طالب علم کو عربی زبان پر دسترس نہیں ہوجاتی، وہ ترجمہ کے ساتھ پڑھ سکے اور پھر جیسے جیسے عربی کی استعداد بڑھتی جائے گی ویسے ویسے وہ عربی کتب کی طرف منتقل ہوتا چلا جائے گا۔

۲۔ عقائد

ہمارے ہاں مدارس 8 سالہ تعلیمی دورانیہ میں طلبہ کو عقائد کے میدان میں مضبوط نہیں کرتے۔ برصغیر پاک و ہند میں پچھلے دو اڑھائی سو سال میں عرب کے بعض خطے سے کچھ عقائد اور افکار و نظریات اس خطے میں منتقل ہوئے ہیں، ان افکار نے برصغیر پاک و ہند کے عقائد کو متاثر کیا ہے۔ ہمارے مدارس کے نصاب میں اپنے عقیدے اور مسلک کے تحفظ کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی کتاب سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔ ہمارے مدارس کے نصاب میں عقائد کی جو کتب شامل ہیں، ان میں ہزار سال پہلے کی مباحث ہیں۔ اس دور میں اُن عقائدِ باطلہ کے رد میں جو جو درکار تھا، عقیدے کی کتب میں وہی کچھ رقم ہے۔ یہ بات بڑی توجہ طلب ہے کہ جو مباحث پچھلے دو سو سال کے اندر پیدا ہوئی ہیں اور جن کا تعلق عصمت النبی ﷺ، معجزات النبی ﷺ، ختم نبوت، عقیدہ علم غیب، آپ ﷺ کے خصائل و شمائل، توسل، شفاعت، استعانت، استغاثہ، زیارتِ قبور، ایصالِ ثواب، تصرفات و اختیارات، میلاد، اولیاء کی شان، عبادت و تعظیم کے تصورات اور اس جیسی دیگر مباحث و مسائل سے ہے، ان کے متعلق ایک بحث بھی درس نظامی کے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھائی جاتی، حتی کہ اس حوالے سے کوئی کتاب بھی شاملِ نصاب نہیں ہے۔

ہمارے طالب علم کو مدرسہ میں عقائد کے باب میں وہ

ابحاث پڑھائی جاتی رہیں جن کا تعلق ہزار سال قبل سے تھا۔ معتزلہ اور یونانی فلسفی مرگئے، جو ہر و اعراض کی ابحاث ختم ہوگئیں، وہ فلسفے اور اشکال وشبہات ختم ہوگئے اور اب ان کا وجود ہی نہیں، زمانہ بدل گیا ہے اور نئے نئے فرقے وجود میں آگئے ہیں مگر اُن ابحاث وفلسفوں اور ان کے رد کو آج بھی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ ہاں! ان سابقہ ادوار کی مباحث کو پڑھانا چاہیے تاکہ پرانی کتب کے ساتھ طالب علم کو سوجھ بوجھ پیدا ہو، عبارتوں اور ابحاث کو سمجھے، ہم نے ان میں سے کسی کو خارج از نصاب نہیں کیا، وہ سب برقرار ہیں مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ جو خلا ہے اور جو گوشے خالی ہیں، ان ابحاث کو بھی زیر بحث لایا جائے اور نئے نئے باطل افکار ونظریات کا رد کیا جائے۔

پوری دنیا میں توحید اور شرک و بدعت کا ایک نیا تصور آگیا ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تصور کو رد کرنے اور اصل توحید اور اس کی ذیلی مباحث کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ طالب علم 8 سال گزار کر تعلیمی ادارے سے نکل رہا ہے مگر اس نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے عقیدے کے دفاع کی ایک کتاب بھی نصاب میں نہیں پڑھی ہوتی۔ نتیجتاً اس باب میں وہ مارکیٹ میں میسر کتب سے رہنمائی لیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ان مسائل کو ان کتب سے مناظرانہ، انتہا پسندانہ اور فرقہ وارانہ طریقے سے پڑھتا ہے۔ اگر وہ ان ابحاث کو قرآن و حدیث سے پڑھتا تو اس میں توازن اور اعتدال آتا، استنباط و استدلال کا طریقہ آتا، دلائل کی قوت آتی، صحیح عقیدے کا پرچار کرتا اور پھر اپنے مطالعہ کو وسیع کرنے کے لیے مزید کتب پڑھتا۔

نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں عقیدے کے باب میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ عقائد سے متعلق تمام ابحاث کو اول سال سے آخر سال تک شاملِ نصاب کردیا ہے۔ اب نظام المدارس پاکستان کے فارغ التحصیل طلبہ عقیدہ و مسلک اور تصوف و طریقت سے متعلق قرآن وسنت اور حدیث کے دلائل سے مزین ہوں گے۔

عقائد کے باب میں نئی ابحاث چونکہ اس زمانے کی ضرورت نہیں تھی۔ امت کا ان مسائل پر اجماع اور کثرت کے ساتھ عمل تھا، نیز ان پر اعتراضات اور فتن بھی پیدا نہیں ہوئے تھے، لہٰذا ان ابحاث کو اس زمانہ میں شاملِ نصاب کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن عقائد کے باب میں آج یہ ابحاث زمانہ کی ضرورت ہیں، مگر نصاب میں جاری جمود کی وجہ سے یہ ابحاث شاملِ نصاب نہیں ہیں۔ عقائد کے باب میں اس خالی گوشہ کو نظام المدارس نے پُر کیا ہے۔

۳۔ حدیث

ترجمۃ القرآن کی طرح حدیث کے ترجمہ کو بھی اول سال سے ہی نظام المدارس پاکستان کے نصاب میں شامل کردیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پڑھانے کا منہج یہ رکھا گیا ہے کہ کتب حدیث اور شروحاتِ حدیث کو یکجا کیا گیا ہے۔ مثلاً: مشکوٰۃ شریف کو مرقاۃ المفاتیح کے ساتھ شامل نصاب کیا ہے تاکہ طالب علم کو پتہ بھی ہو کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ صحیح بخاری کو فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری کے ساتھ شامل کیا ہے۔ صحیح مسلم کو شرح نووی اور قاضی عیاض کی شرح کے ساتھ شاملِ نصاب کیا گیا ہے۔ یعنی حدیث کی اصل کتب کو شروح کے ساتھ نصاب کی درسی کتاب کے طور پر شامل کردیا ہے تاکہ اساتذہ جب اسباق پڑھائیں تو اصل کتب کے حوالے دیں اور طلبہ ان کے نوٹس بنائیں، بجائے اس کے کہ استاد اپنے طور پہ کچھ کہہ دے کہ ابن حجر نے یہ کہا ہے، امام نووی نے یہ کہا ہے، قاضی عیاض نے یہ کہا ہے، قسطلانی نے یہ کہا ہے۔ نہیں، ایسا نہ ہو، بلکہ طلبہ خود ان کتب تک رسائی حاصل کریں۔ اس سے مقصود یہ ہے ان کتابوں کے ساتھ طلبہ کی شناسائی پیدا ہو اور وہ ان کا مطالعہ کریں۔

امام نووی کی ریاض الصالحین کے ساتھ معارج السنن اور منہاج السوی بھی شامل کردی ہیں۔ اسی طرح صحاح ستہ، امام بخاری کی الادب المفرد اور دیگر ائمہ کی کتب کو بطور درسی کتب یا برائے مطالعہ یا ان کا تعارف شاملِ نصاب کیا ہے تاکہ طالب علم اخذِ علم کے لیے ان کتب سے شناسا ہو۔

کتبِ حدیث کو شروحِ حدیث کے ساتھ شاملِ نصاب کرنے کے علاوہ تاریخِ حدیث کو بھی ایک نئے مضمون کے طور پر شاملِ نصاب کیا گیا ہے۔

(جاری ہے)

سہ روزہ دورۂ
علوم الحدیث

قواعدِ جرح وتعدیل

جرح کے قابلِ قبول ہونے کا معیار

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نشست سوم
حصہ: 7

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

جرح وتعدیل کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس طرح جرح وتعدیل میں تین طبقات؛ متشدد، معتدل و متوسط اور متساہل (نرم) ہیں، اسی طرح جرح و تعدیل کے درج ذیل کچھ اصول وضوابط اور قواعد ہیں، جنھیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے:

۱۔ کسی سند کی جرح وتعدیل کے وقت دیکھا جائے گا کہ جارح کا تعلق کس طبقے سے ہے؟ متشدد جارح کی جرح کا حکم اور ہوگا اور معتدل یا متساہل جارح کا حکم اور ہوگا۔ مثلاً: ابن ابی حاتم، امام نسائی اور علامہ ذہبی متشدد جارح ہیں جبکہ امام حاکم متساہل و متسامح جارح ہیں اور امام بخاری و امام مسلم معتدل جارح ہیں۔

۲۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے دیکھا جائے گا کہ جرح مبہم ہے یا مفسر؟ جب یہ پردہ اٹھے گا تو اُس جرح کے پیچھے بہت سارے مخفی حقائق سامنے آئیں گے، تب جا کر محدث، مجتہد یا عالم کسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ روایت کو قبول کرنا ہے یا نہیں؟

بعض اوقات جرح کا سبب مذہبی اختلاف، تعصب اور معاصرت (ہم زمانہ) بھی ہوتی ہے۔ علماء، محدثین، فقہاء، جرح وتعدیل کے سب امام بشر اور انسان تھے۔ ان علماء میں سے کوئی پیغمبر نہیں تھا۔ خطا سے معصوم صرف پیغمبر کی ذات ہوتی ہے۔ اس لیے یہ امر ذہن نشین رہے کہ جرح کرنے والے کی جرح میں بھی خطا ہوسکتی ہے اور تعدیل کرنے والے کی تعدیل میں بھی خطا ہوسکتی ہے۔ اُس کے اسباب میں مذہبی تعصب اور عناد بھی ہوتا ہے، ذاتی اختلاف بھی ہوتا ہے کہ جب کسی حدیث، فقہی مسئلہ یا کسی معاملے پر اختلاف ہوگیا تو طبیعت ایک دوسرے کے خلاف ہوگئی، اِس لیے جب جرح دیکھیں تو دیکھنا ہے کہ جرح کرنے والا کون ہے اور جرح مفسر ہے یا غیر مفسر ہے؟

۳۔ جرح کا تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ جس پر جرح کی گئی ہے، جارح کا درجہ اس سے اونچا ہو، اس لیے کہ چھوٹا بڑے پر کیا جرح کرے گا۔

امام احمد بن حنبل کا قول حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں روایت کیا ہے کہ:

كل رجل ثبتت عدالته لم يقبل فيه تجريح أحد. حتى يتبين ذلك عليه بأمر لا يحتمل غير جرحه.

(عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۷: ۲۴۱)

ہر وہ ہستی جس کی عدالت (دوسرے مقام پر کہتے ہیں جس کی امامت، جلالت اور ثقاہت) ثابت ہوگئی ہو اُس پر کسی شخص کی جرح کو قبول نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ جرح غیر محتمل ہو جائے، اُس میں کوئی احتمال نہ رہے۔

جرح کے قابلِ قبول ہونے کا معیار

جرح کے اس تیسرے قاعدے کے حوالے سے درج

☆ خطاب نمبر: Ba-127، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 09 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

ذیل اقوال پر غور فرمائیں، جن سے ایک طرف جرح و تعدیل کا اصول سمجھ میں آتا ہے تو دوسری طرف یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کبار ائمہ سے بھی حسد و عداوت کا اظہار کیا گیا اور اسی عداوت کے پیشِ نظر اس دور کے دیگر علماء نے ائمہ پر فتوے لگائے مگر ان کے فتاویٰ کو ان کی عداوت، حسد اور معاصرت کے پیشِ نظر قبول نہیں کیا جائے گا:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا:

استمعوا علم العلماء ولا تصدقوا بعضهم على بعض.

(الیواقیت والدرر، ۲:۳۶۹)

علماء سے علم لیا کرو، لیکن اگر ایک عالم دوسرے عالم کے خلاف بول رہا ہو تو کبھی تصدیق نہ کرو۔

یعنی علماء؛ علماء کے خلاف جب بات کریں تو اُسے رد کر دیں۔ علماء سے علم لیں مگر غیبت اور تہمت نہ لیں۔ اگر وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی تقریر، تحریر، خطاب اور جلسوں میں بات کررہے ہوں تو اُن کی تصدیق نہ کرو۔

۲۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے ارشاد فرمایا:

یؤخذ بقول العلماء والقراء في كل شيء إلا قول بعضهم في بعض.

دین کے بارے میں علماء کی ہر بات قبول کر لو مگر کوئی عالم اگر دوسرے عالم کے بارے میں کوئی منفی بات کرے تو کبھی قبول نہ کرنا۔

کیوں؟ اس لیے کہ اُس کے پیچھے حسد، عداوت، عناد، معاصرت اور مسلکی و مذہبی اختلاف ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ غیبت کرنے والا یا تہمت لگانے والا یہ سوچتا ہو کہ ''فلاں عالم اتنے اونچے مقام پر پہنچ گیا جبکہ میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ ہم ایک ہی زمانہ، شہر، ملک اور ایک ہی عمر کے ہیں مگر میری بات کوئی نہیں سنتا جبکہ اسے لوگ آسمان پر بٹھاتے ہیں؟'' یہ معاصرت بندے کو غیبت، تہمت اور مخالفت پر اکساتی ہے، اِس لیے ائمہ نے فرمایا کہ علماء کی ایک دوسرے کے خلاف بات کی تصدیق نہ کرو۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ بات اولیاء کی فرمائی ہوئی نہیں ہے، وہ تو حسنِ ظن کا پیکر ہوتے ہیں بلکہ یہ قول محدثین اور جرح کرنے والوں کا ہے۔

۳۔ امام مالک کے شاگرد عبداللہ بن وهب کا قول ہے کہ:

أنه لا یجوز شهادة العلماء على العلماء.

(ابن عبدالرفیع، معین الاحکام)

علماء کی گواہی علماء کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

یعنی علماء کی گواہی غیر علماء کے خلاف قبول ہے مگر علماء کی گواہی علماء کے خلاف قبول نہیں ہوگی۔

کبار ائمہ کی مقبولیت کے پیشِ نظر اُن سے حسد کیا جانا

علماء کی گواہی دوسرے علماء کے خلاف اس لیے قبول نہیں کہ:

لأنهم أشد الناس تحاسدا وتباغضا.

اُن میں ایک دوسرے کے بارے میں بے پناہ حسد اور بغض ہوگا۔

یہ حسد اُن پر غلبہ پالیتا ہے کہ جو چیز کسی دوسرے کو مل گئی، وہ مجھے کیوں میسر نہیں آئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کبار ائمہ سے حسد کیا گیا۔ حتی کہ امام اعظم اور امام بخاری سے بھی حسد کیا گیا۔ ذیل میں اس سلسلہ میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(۱) الفاظ قرآن کے مخلوق یا غیرِ مخلوق ہونے کے حوالے سے امام بخاریؒ سے اختلاف کی بناء پر ائمہ کا روایات لینے سے انکار

امام بخاری اپنے شیخ محمد بن یحییٰ الذهلی سے ملاقات کے لیے نیشاپور گئے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں امام الذهلی سے دو درجن سے زائد احادیث روایت کی ہیں۔ امام ذهلی نے اپنے شاگردوں کو جن میں امام مسلم بھی شامل تھے، بلایا اور فرمایا کہ محمد بن اسماعیل بخاری، نیشاپور آ رہا ہے، میں اُن کے استقبال کے لیے جاؤں گا، آپ میں سے بھی جو جانا چاہے، اسے اجازت ہے، جائے مگر ایک بات سن لیں کہ امام بخاری سے دروسِ حدیث سنیں مگر کوئی اُن سے قرآن کے الفاظ کے مخلوق یا غیرِ مخلوق ہونے کے بارے میں سوال نہ کرے۔ اُس زمانے یہ بحث عام تھی کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق ہیں؟ امام احمد بن حنبل کو بھی اس مسئلہ پر کوڑے لگے۔

اس لیے کہ اگر امام بخاری نے ہماری رائے سے مختلف جواب دے دیا اور اُنھوں نے وہ کہا جو میرے فتویٰ سے مختلف ہے تو پھر ہماری آپس میں ٹھن جائے گی۔ پھر یہ محبت کا رشتہ نہیں رہے گا اور ہم ٹکرا جائیں گے۔ اس لیے کہ بہتر ہے کہ علمِ حدیث سنیں مگر اُن سے یہ مسئلہ نہ پوچھیں۔

پہلے دن درس حدیث ہوا، لوگوں کے ایک ہجوم نے درس حدیث سماعت کیا۔ دوسرے یا تیسرے دن کسی ایک شخص نے قرآن کے الفاظ کے بارے میں سوال کر دیا۔ امام بخاری نے اپنی تحقیق کے مطابق اس کا جواب دے دیا۔ بس جواب سنتے ہی وہاں لڑائی شروع ہوگئی، بحث و مباحثہ شروع ہوگیا اور بعد ازاں نوبت ہنگامہ و فساد تک جا پہنچی۔ شیخ محمد بن یحییٰ الذھلی کو خبر ملی تو اُنھوں نے اعلان کردیا کہ آج کے بعد ہمارے تلامذہ میں سے کوئی اُدھر نہ جائے۔ جو اُدھر جائے گا، وہ ہماری مجلس میں نہیں آ سکتا۔

شیخ محمد بن یحییٰ الذھلی نے امام مسلم کو بھی روک دیا کہ آج کے بعد امام بخاری کے پاس نہیں جانا۔ یہ دونوں حضرات امام مسلم کے شیوخ تھے۔ امام ذھلی کے حکم کے بعد امام مسلم پھر دوبارہ کبھی امام بخاری کے پاس نہیں گئے۔ امام مسلم کے پاس امام بخاری کے طریق سے جو روایات ہیں، وہ اس واقعہ سے پہلے کی ہیں۔ امام مسلم نے ایک طرف امام بخاری کو چھوڑ دیا تو دوسری طرف امام محمد بن یحییٰ الذھلی کے پاس جانا بھی چھوڑ دیا اور کہا کہ وہ اب شیخ محمد بن یحییٰ ذھلی اورامام بخاری دونوں کی روایات نہیں لیں گے۔

میں نے یہ صرف ایک واقعہ بتایا ہے۔ اس طرح کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ امام ابن عبدالبر مالکی (التمھید)، حافظ ابن حجر عسقلانی (تھذیب التھذیب)، علامہ ذہبی (میزان الاعتدال)، علامہ مزی (الکمال) اورخطیب بغدادی (تاریخ بغداد) الغرض اسماء الرجال کے ائمہ نے اپنی کتب میں اس طرح کے بے شمار واقعات درج کیے ہیں۔

(۲) امام بخاری کی نیشا پور سے بخارا واپسی

امام بخاری کا قرآن کے الفاظ کے بارے میں مؤقف چونکہ ایک دقیق بحث تھی اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی نہ تھی، لہٰذا جس نے اسے آگے بیان کیا، وہ اسے اس انداز کے مطابق بیان نہ کرسکا جو امام بخاری کی رائے تھی، اس نے کچھ اور ہی بات امام بخاری کی طرف منسوب کردی۔ نتیجتاً فتنے پیدا ہوگئے اور بالآخر امام بخاری کی اِتنی مخالفت ہوئی کہ اُن کو نیشا پور سے نکال دیا گیا اور وہ پلٹ کر واپس بخارا آ گئے۔

جن علماء نے امام بخاری کو نکالا، وہ بھی اُس دور کے علماء، محدثین اور اہلِ علم تھے، جو اپنے فتویٰ کے مخالف جانے والوں کو گمراہ کہتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ اگر امام بخاری پر جرح کریں تو کیا ان کی جرح قبول کر لیں گے؟ نہیں، اس لیے کہ وہ مذکورہ مسئلہ پر امام بخاری سے اختلاف کے باعث ہر مسئلہ پر کہہ دیں گے کہ امام بخاری ایسا ہے، کتابوں میں یہ یہ لکھا ہے، فلاں فلاں نے امام بخاری کو ترک کر دیا، مثلاً: ابن ابی حاتم کے صاحبزادے کہتے ہیں میرے والد نے امام بخاری کو ترک کر دیا، ابو زرعۃ نے ترک کر دیا۔ تو کیا ان ائمہ کے کہنے سے امام بخاری کی حدیث متروک ہو جائے گی؟ نہیں، بلکہ دیکھا جائے گا کہ جس نے ترک کیا ہے اُس کا اپنا درجہ کیا ہے؟ اس نے کیوں ترک کیا؟ کب ترک کیا؟ ترک کا سبب کیا بنا؟ پس اِس طرح تحقیق کی جاتی ہے کہ کیا قبول کرنا ہے اور کیا قبول نہیں کرنا ہے؟

(۳) امام بخاری کی بخارا سے جلا وطنی

امام بخاری کے حوالے سے ایک اور بات جو بہت ہی کم علماء کو معلوم ہے کہ امام بخاری نے بخارا میں اپنی نوجوانی کے ایام میں ابتدائی سولہ سال کی عمر تک امام ابوحفص الکبیر سے تعلیم حاصل کی۔ جامع سفیان الثوری، امام عبداللہ بن مبارک کی کتابیں، امام وکیع بن الجراح کی کتابیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہ حنفی کے بارے میں امام بخاری نے امام ابوحفص الکبیر سے ہی پڑھا تھا۔ آپ یہ جان کر حیران ہو جائیں گے کہ امام ابو حفص الکبیر براہ راست امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد تھے۔ امام محمد بن حسن شیبانی؛ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ یعنی

دین کے بارے میں علماء کی ہر بات قبول کرلو مگر کوئی عالم اگر دوسرے عالم کے بارے میں کوئی منفی بات کرے تو کبھی قبول نہ کرنا

امام ابوحفص الکبیر، امام اعظمؓ کے پوتے شاگرد تھے جن سے فقہ کی کتابیں امام بخاری نے اپنی نوجوانی میں پڑھیں۔

امام ابوحفص الکبیر کے بیٹے جنہیں ابوحفص الصغیر کہتے ہیں، یہ بھی بخارا سے نیشاپور جاتے ہوئے امام بخاری کے ساتھ اُس سفر میں تھے۔ جب قرآن مجید کے الفاظ کے بارے میں امام بخاری کے قول کی وجہ سے جو جھگڑا ہوا، آپ پر فتویٰ لگا اور آپ کو نیشا پور سے نکالا گیا تو امام ابوحفص الصغیر نے ہی واپس آکر بخارا کے علماء کو بتایا کہ یہ واقعہ ہوا۔ اس واقعہ کو سن کر بخارا کے علماء بھی امام بخاری کے مخالف ہوگئے۔

اس لیے کہ فتویٰ جب آگے چلتا ہے تو کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ قائل نے کچھ کہا تھا مگر سننے والے نے کچھ اور سمجھا اور اُس نے جس کو بیان کیا، اُس نے کچھ اور سمجھا۔ اس طرح اصل قول کے برخلاف کوئی نئی کہانی بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سند کی ضرورت پڑتی ہے کہ کوئی راوی ضعیف تو نہیں ہے، اُس نے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے کوئی لفظ اوپر نیچے تو نہیں کر دیا، اُس نے اپنی سمجھ اور فہم کی کمزوری کی وجہ سے مفہوم اور معنی تو نہیں بدل دیا۔ حدیث لفظاً روایت کی گئی ہے یا معناً کی گئی ہے؟ گویا ایک ایک بات کو باریکی کے ساتھ پرکھا جاتا ہے۔

امام بخاری کے ساتھ یہی کچھ ہوا کہ جب نیشاپور سے بات بخارا پہنچی تو کچھ کی کچھ بن چکی تھی، نتیجتاً وہاں کے علماء نے بھی امام بخاری کو بخارا سے نکال دیا۔ پھر آپ بخارا سے باہر کئی میلوں کے فاصلے پر موجود ایک گاؤں میں مقیم ہوئے اور آخری عمر تک وہیں مقیم رہے، وہیں آپ کا مزار ہے۔ لوگ بعدازاں وہیں آتے اور کسبِ فیض کرتے تھے۔

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ ایک وقت یہ تھا کہ بخارا والوں نے آپ کو جلا وطن کردیا اور جب یہ وقت گزر گیا تو پھر دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک دفعہ بخارا میں سخت قحط تھا، نماز استسقاء کے باوجود بارش نہیں ہوئی تھی۔ اولیاء اور صالحین میں سے کسی نے کہا: چلو امام بخاری کے مزار پر جا کر دعا کرو۔ بخارا کے تمام لوگ امام بخاری کے مزار پر آئے، دعا کی تو بارش ہوگئی۔ بعد ازاں وہ لوگ صحیح بخاری پڑھتے تھے اور اس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔

بتانا مقصود یہ ہے کہ ایک زمانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔

الفاظِ قرآن کے حوالے سے بھی امام بخاری کے خلاف ایک عجیب سی علمی تعصب کی فضا بن گئی کہ جو عالم حدیث کسی شہر میں پڑھانے آتا جو سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، عبدالرحمٰن بن مہدی اور دیگر ائمہ سے پڑھا ہوتا تو علماء اس کی آمد کا سُن کر جمع ہوتے اور بجائے اِس کے کہ وہ اُن سے حدیث پوچھیں، وہ سب سے پہلے پوچھتے تھے کہ بتاؤ امام بخاری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی ایسا ماحول بن جاتا کہ سارا علم پیچھے رہ جاتا ہے اور ایک فتویٰ کے پیچھے دنیا چل پڑتی۔ اگر کوئی محدث یہ کہہ دیتا کہ الفاظ قرآن غیر مخلوق ہیں تو اُس سے حدیث سنتے تھے اور اگر کوئی محدث علماء کے اس سوال کے جواب میں امام بخاری کے موقف کے مطابق مؤقف اختیار کرتا تو اس پر بھی فتویٰ لگادیتے۔ اس طرح اگر کوئی ان کے سوال کے جواب میں خاموش رہتا اور سکوت اختیار کرتا تو وہ اِس سے حدیث ہی نہ سنتے اور کہتے کہ اپنی زبان سے کہو کہ جو الفاظِ قرآن کو غیر مخلوق نہیں کہتا، وہ کافر ہے۔ اگر وہ کافر کہنے میں تامل کرتا تو لوگ کھڑے ہو جاتے اور کہتے:

من شک في کفره فقد کفر.

اگر کافر کہنے میں تمہیں شک ہے تو تم بھی کافر ہو۔ یعنی اِس انتہاء تک چلے جاتے۔

(جاری ہے)

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

ماہ ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں عظمت وفضیلت کا خزانہ ہیں

حج اور قربانی اللہ کے ہاں کثیر برکات والے اعمال ہیں

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والا شخص رحمتِ الٰہیہ سے محروم ہو جاتا ہے

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

حج وقربانی کی مناسبت سے ماہ ذوالحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کثیر برکتیں اور سعادتیں عطا کر رکھی ہیں۔ ماہ ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کو عظمت وفضیلت کا وہ خزانہ عطا کیا گیا ہے کہ ہر ایک رات رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کے برابر ہے۔ جس طرح رمضان المبارک کی برکتوں کو سمیٹ کر عید الفطر میں رکھ دیا گیا اور اس دن کو خوشی کے دن کے طور پر مقرر کر دیا گیا۔ ان دس راتوں کے اختتام پر اللہ رب العزت نے عیدالاضحیٰ کے دن کو مسرت و شادمانی کے دن کی صورت میں یادگار حیثیت کر دی۔ اس دن کو عرف عام میں قربانی کی عید کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَا. (الترمذی، السنن، ۳: ۱۳۱، الرقم: ۷۵۸)

’’اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت بجائے دوسرے اوقات و ایام میں کرنے کے عشرہ ذوالحجہ میں کرنی محبوب تر ہے۔ اس کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ایک ایک رات کا قیام، لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِکَ بِشَيْءٍ.

(ابو داود، السنن، ۲: ۳۲۵، الرقم: ۲۴۳۸)

’’ان دس دنوں (عشرہ ذی الحجہ) میں اللہ تعالیٰ کے حضور نیک عمل جتنا پسندیدہ ومحبوب ہے کسی اور دن میں اتنا پسندیدہ و محبوب تر نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں، فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا اور کچھ لے کر گھر نہ لوٹا۔‘‘

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں عشرۂ ذی الحجہ میں جن اعمال کے کرنے کی فضیلت آئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ذکر الٰہی کا اہتمام کرنا

اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں ان دس دنوں میں اپنا ذکر کرنے کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ. (الحج، ۲۲: ۲۸)

اور مقررہ دنوں کے اندر اللہ کے نام کا ذکر کرو۔

صحابہ کرام اور محدثین ومفسرین کے نزدیک ان ایام معلومات سے مراد عشرۂ ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔

۲۔ کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید کہنا

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت نقل

کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کوئی دن بارگاہ الٰہی میں ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا نہیں، اور نہ ہی کسی دن کا (اچھا) عمل اللہ کو ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب ہے پس تم ان دس دنوں میں کثرت سے لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔

سلف صالحین اس عمل کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ ان دس دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے ہوئے بازار نکلتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیر کہنا شروع کر دیتے

۳۔ بال ناخن وغیرہ نہ کاٹنا

کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اور ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے تو اسے چاہئے کہ قربانی کرنے تک اپنے ناخن بال وغیرہ نہ کاٹے۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَعِنْدَهُ أُضْحِيَّةٌ يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا.

’’جب عشرہ ذی الحجہ داخل ہوجائے (یعنی ماہ ذی الحجہ کا چاند نظر آئے) اور جس شخص کے پاس قربانی ہو اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔‘‘ (مسلم، الصحیح، ۳: ۱۵۶۵، الرقم: ۱۹۷۷)

حج کی اہمیت وفضیلت

حج اسلام کا بنیادی رکن ہے یہ ہر اس شخص پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے جو صاحب استطاعت ہو۔ حج، اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ایسا رکن ہے جو اجتماعیت اور اتحاد و یگانگت کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً

’’اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو‘‘۔ (آل عمران: ۹۷)

حج کرنے والے کے لئے جنت ہے۔ حجاج کرام خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کی دعا قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔ یہ نفوس ہر قسم کی برائی کا خاتمہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے نیکیوں کے حصول کی جانب ایک نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص زندگی میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرے تو وہ رب کائنات کی رحمتوں سے نہ صرف محروم ہوجاتا ہے بلکہ ہدایت کے راستے بھی اس کے لئے مسدود ہوجاتے ہیں۔ آیئے احادیث مبارکہ کی روشنی میں حج کی فضیلت پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ.

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کا درمیانی عرصہ گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ جنت ہی ہے۔‘‘ (البخاری فی الصحیح، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، ۲/۶۲۹، رقم: ۱۶۸۳)

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم سے نکال دیتا ہے۔ حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ، فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَإِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا.

’’جس شخص کو فریضۂ حج کی ادائیگی میں کوئی ظاہری ضرورت یا کوئی ظالم بادشاہ یا روکنے والی بیماری (یعنی سخت مرض) نہ روکے اور وہ پھر (بھی) حج نہ کرے اور (فریضہ حج کی ادائیگی کے بغیر ہی) مر جائے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے)۔‘‘ (الترمذی فی السنن کتاب الحج عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی التغلیظ فی ترک الحج، ۳/۱۷۶، رقم: ۸۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس عظیم سعادت کو حاصل کرنے والے کو بخشش کی نوید سناتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ. إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ، وَإِنْ

اسۡتَغۡفَرُوۡهُ غَفَرَ لَهُمۡ.

’’حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، وہ اس سے دعا کریں تو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر اس سے بخشش طلب کریں تو انہیں بخش دیتا ہے۔ (ایک روایت میں) جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا (کے الفاظ بھی ہیں)۔‘‘ (ابن ماجہ فی السنن، کتاب المناسک باب فضل دعاء الحج، ۲/۹، رقم: ۲۸۹۲)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حجاج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنۡ دَخَلَ الۡبَيۡتَ دَخَلَ فِي حَسَنَةٍ وَخَرَجَ مِنۡ سَيِّئَةٍ مَغۡفُوۡرًا لَهُ.

’’جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوگیا وہ نیکی میں داخل ہوگیا اور برائی سے خارج ہو کر مغفرت پا گیا۔‘‘

(ابن خزیمہ فی الصحیح، ۴/۳۳۲، رقم: ۳۰۱۳)

کیا حج کرنے سے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ حَجَّ هَذَا الۡبَيۡتَ فَلَمۡ يَرۡفُثۡ وَلَمۡ يَفۡسُقۡ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتۡهُ أُمُّهُ. (البخاری، الصحیح، ۲: ۶۴۵، الرقم: ۱۷۲۳)

’’جس نے اس گھر (کعبہ) کا حج کیا اور وہ نہ تو عورت کے قریب گیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو (تمام گناہوں سے پاک ہو کر) اس طرح واپس لوٹا جیسے اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔‘‘

اسی طرح متعدد احادیث مبارکہ ہیں جن میں اس سے ملتا جلتا مضمون بیان ہے۔ شارحین حدیث نے مختلف آراء پیش کی ہیں:

۱۔ حج کرنے سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔

۲۔ صغیرہ، کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حقوق اللہ میں آتے ہیں، لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسری رائے یہ ملتی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد صغیرہ وکبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بہرحال ہمیں اس بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کو بھی حج وعمرہ کی سعادت نصیب ہو، اسے صدقِ دل سے اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس عمل کو اچھی طرح سرانجام دینا چاہیے۔ باقی معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کی مرضی جتنا اجر دے۔ یہ تو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایک شخص گنہگار وسیاہکار ہو، وہ صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اس کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ تو نیتوں کے بھید جانتا ہے۔ صدقِ دل اور خلوصِ نیت ہو تو بعید نہیں سب کے سب گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر کوئی ہو ہی ظلم کرنے والا، ڈاکو، قاتل اور دھوکہ باز اور وہ حج بھی اسی نیت سے کرے کہ لوگ اس کو نیک سمجھیں اور اس کے گھیرے میں آتے رہیں تو ایسے حج وعمرہ، نماز، روزہ وغیرہ اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہونگے۔

مقروض شخص کا حج ادا کرنا کیسا ہے؟

اگر قرض خواہ مقروض کو اجازت دے کہ آپ حج کرلیں میرا قرض بعد میں لوٹا دینا تو اس صورت میں بندہ حج کرسکتا ہے۔ آج کل قرض کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ کچھ لوگ تو مجبوری کی خاطر قرض لیتے ہیں اور کچھ کاروبار کو مزید وسعت دینے کی خاطر۔ لہٰذا کاروباری قرضے لینے والوں کے لیے تو مسئلہ نہیں ہے وہ تو سب بڑے لوگوں نے لے رکھا ہوتا ہے، اور ادا بھی کر سکتے ہیں، حج ادا کرنے سے ان کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی، لیکن جو غریب ہو بڑی مشکل سے تھوڑے تھوڑے پیسے اکٹھے کر کے قرض ادا کرنے کے لیے جمع کیے ہوں تو اس کے لیے بہتر ہے کہ پہلے قرض ادا کرے اور جب صاحبِ استطاعت ہو جائے تو حج ادا کرے۔

اس موقع پر اس حوالے سے بھی یہ ذہن نشین کرلیں کہ ضروریاتِ زندگی کے علاوہ کسی شخص کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ حج کرسکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کرے لیکن پہلے اپنی اور اپنے گھر والوں کی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، صحت اور اولاد کی شادی کی ذمہ داریاں پوری کرے۔ اس کے بعد اگر وہ پھر بھی صاحبِ نصاب ہے تو اب وہ حج کے لیے جاسکتا ہے۔ ❁❁❁❁❁

قربانی کا حقیقی مقصد اور حکمت

قربانی کے دن خون بہانا اللہ کے حضور سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے

روح دکھائی نہیں دیتی لیکن ظاہر کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.

’’اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہوگیا ہو)۔‘‘ (الحج، ۲۲: ۳۲)

عموماً ہم جب بھی کوئی نیک عمل کرتے ہیں تو وہ عمل اپنی حیثیت میں فرض، واجب، سنت یا نفل ہوتا ہے، نیز ہر عمل اپنی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ اجروثواب کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی ہر عمل کے نتیجے میں اللہ رب العزت ایک خاص اجر عطا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی عمل کے اجروثواب کے زیادہ یا کم ہونے کا انحصار کس چیز پر ہوتا ہے؟ یاد رکھیں! ہر چیز اور عمل کے دو پہلو ہیں:

۱۔ ظاہر ۲۔ باطن

مثلاً: انسان کا ظاہر وہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے، جسم، ہاتھ، ٹانگیں اور دیگر اعضاء وغیرہ، جبکہ انسان کا باطن وہ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ ذاتِ انسانی کا یہ باطنی پہلو اس کی روح ہے۔ روح اگرچہ دکھائی نہیں دیتی لیکن ظاہر کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ روح ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی بنیاد پر انسان کا ظاہری جسم قائم/ استوار ہے اور اگر یہ (روح) نہ رہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ گویا جو چیز نظر نہ آرہی ہو، ظاہر کی قدر و قیمت کا انحصار اسی نہ دکھائی دینے والی چیز پر ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم جتنے بھی نیک یا بد اعمال سرانجام دیتے ہیں ان میں سے ہر ایک عمل کا ایک ظاہری نتیجہ ہے اور ایک باطنی نتیجہ ہے۔ جب انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے اس عمل کا جو اجر وثواب ملتا ہے، وہ اس عمل کا ظاہری نتیجہ ہے۔ ظاہری نتیجہ اس لیے کہ اس کے کرنے کا ثواب ہمیں قرآن و سنت کی تعلیمات میں پہلے ہی بتادیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ اس نیک عمل کے نتیجے میں نور کا ایک سفید نقطہ/ نشان اللہ رب العزت انسان کے دل پر ثبت فرما دیتا ہے۔ یہ اس عمل کا باطنی نتیجہ ہے۔

اسی طرح جب انسان کوئی برا عمل کرتا ہے تو اس کا ظاہری نتیجہ اس گناہ اور نافرمانی کی سزا کی صورت میں اسے ملتا ہے جبکہ اس برائی کا باطنی نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ/ نشان ثبت فرما دیتا ہے۔ گویا انسان جب نیک اعمال کرتا چلا جاتا ہے تو اس کا دل منور ہوتا چلا جاتا ہے اور برے اعمال کے نتیجے میں اس کا دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر نیک عمل اپنے باطن میں نور رکھتا ہے، لیکن اگر اس نیک عمل کے نتیجے میں باطن میں نور پیدا نہ ہو تو وہ عمل ادا

تو ہوجاتا ہے لیکن اپنی تاثیر و اثرات نہیں رکھتا۔ مثلاً: نماز کے اثرات و نتائج کو واضح کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. (العنکبوت، ۲۹: ۴۵)

”بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

نماز انسان کو فحش کاموں سے روکتی ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نماز بھی ادا کرتے ہیں اور برے کاموں کو بھی انجام دیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔۔۔؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے عمل تو کیا لیکن اس عمل کو اس انداز میں نہ کیا جیسے کہ اسے ادا کرنے کا حق تھا۔ اب نماز کی ادائیگی کا عمل تو پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، نماز قضاء نہ لکھی گئی لیکن اس نماز نے باطن میں جو نور پیدا کرنا تھا اور جس نور نے ہمارے دل پر اثر کرنا تھا، وہ نور پیدا نہ ہوا۔ درحقیقت اسی نور نے ہمیں فحش کاموں سے روکنا تھا۔

رضائے الٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

معزز قارئین! ایک حقیقی مومن اور مسلمان اپنی زندگی کا ہر کام اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رضا کے لیے کرتا ہے۔ جملہ نیک اعمال کی بجا آوری اور برے اعمال سے اجتناب کا مقصد رضائے باری تعالیٰ کا حصول ہے کہ میرا مولا، میرا مالک، میرا آقا، میرا خالق مجھ سے راضی ہوجائے۔ اگر نیک اعمال کے نتیجہ میں انسان کی زندگی کا مقصد خدا کو راضی کرنا ہے تو سوال یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو راضی کرنا چاہے تو اس کے بتائے ہوئے طریقے سے اسے راضی کرے گا یا اپنے طریقے سے اسے راضی کرے گا۔۔۔؟ لازمی بات ہے کہ پہلے وہ اس بات کا علم حاصل کرے گا کہ میرے محبوب کو کون سی بات خوش کرتی ہے۔۔۔؟ جو عمل میں انجام دینے لگا ہوں، یہ عمل کس انداز، کس نہج اور کس ڈھنگ سے انجام دوں تو وہ راضی ہوگا۔۔۔؟ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنی مرضی اور اپنے انداز سے عمل کریں اور پھر یہ بھی چاہیں کہ مولا راضی بھی ہو۔ کام بھی ہم اپنی مرضی سے کریں، منزل کا تعین بھی خود کریں، طریقہ کار بھی ہمارا ہو لیکن خدا راضی ہوجائے تو ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ جب راضی اسے کرنا ہے اور بتایا ہوا کام بھی اسی کا ہے، تو پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر ہی عمل پیرا ہونا ہوگا۔ گویا یہ امر ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ جب کام اس کا ہے تو طریقہ بھی بتایا ہوا اسی کا ہوگا، تب ہی اس کی رضا کا حصول ممکن ہوگا۔

عملِ قربانی کے محبوب و مقبول ہونے کا راز

نیک اعمال کے باطنی نتائج، اللہ رب العزت کی رضا اور اس کے طریقہ کار کے مطابق اعمال سرانجام دینے کے تصور کو سمجھ لینے کے بعد اب آیئے ہم عیدالاضحیٰ کے موقع پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کی قربانی کے حقیقی مقصد اور حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

عیدالاضحیٰ کے دن نمازِ عید ادا کرنے کے بعد سب سے بڑی عبادت اللہ کے حضور جانور کی قربانی پیش کرنا ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِيُ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عِلَيه السَّلَامُ قَالُوْا فَمَالَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَالصُّوْفِ حَسَنَةٌ.

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے لئے ان میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے نیکی عرض کی یارسول اللہ! اون کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اون کے بدلے نیکی ہے“۔ (احمد، ابن ماجہ، مشکوۃ)

عیدالاضحیٰ پر قربانی کی اس قدر فضیلت ہے مگر جانور کی قربانی کے وقت چند امور ایسے ہیں جن کی طرف عموماً ہماری نگاہ نہیں جاتی، نتیجتاً ہم وہ عمل کرتے تو ہیں لیکن اس عمل کے اصل نفع اور تاثیر کو حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم قربانی پیش کرکے اپنے ذمہ ایک واجب کی ادائیگی تو کردیتے ہیں، جس سے ہمارے نامہ اعمال میں ترکِ واجب کا گناہ نہیں لکھا جاتا

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اللہ رب العزت کو صرف کسی ایک دن میں لاکھوں جانوروں کی قربانی پسند ہے کہ ان کا خون بہایا جائے؟ اس عمل میں وہ کیا خاص بات ہے کہ اللہ رب العزت نے اس عمل کو اتنا محبوب جانا کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ عملاً اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھراقَۃِ الدَّمِ وِانَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاشعارِھَا وَاَظْلاَفِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ علی الارض فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا۔

(سنن ابن ماجه، جلد۲، باب ثواب الاضحيه، رقم:۳۱۲۶)

’’ابن آدم نے قربانی کے دن خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ خدا کے حضور پسندیدہ کوئی کام نہیں کیا اور بے شک وہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو‘‘۔

گویا عیدالاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کو ایک مسلمان کی طرف سے کی گئی قربانی سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں اور یہ عمل انتہائی مقبول ہے۔ عملِ قربانی کے پیچھے کارفرما جس پوشیدہ مقصد نے ہماری اصلاح کرنی تھی، ہم اس تک نہ پہنچے بلکہ صرف ظاہر ہی پر توجہ مرکوز رکھی۔

جانور ہی کی قربانی میں کیا خاص بات ہے کہ اسی عمل کو ہی کیا جائے گا تو قابلِ قبول ہے؟ اس کی جگہ اتنی مالیت کی خیرات بھی تو کی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بات اگر خیرات کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انسان سے ایک دن میں اتنے جانور ذبح نہ کرواتا بلکہ اس کا ماڈل تبدیل فرمادیتا۔ لہٰذا یہ بات فقط خیرات کی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کوئی اور راز پوشیدہ ہے جس پر ہماری نگاہ نہیں جاتی۔ درج ذیل روایت سے وہ پوشیدہ راز عیاں ہوجاتا ہے:

آقا ﷺ نے ایک روز سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ:

عائشہ! ھلمی المدية. ’’چھری لاؤ‘‘! پھر فرمایا: **اشحذیھا بحجر.** ’’اسے پتھر پر تیز کرو‘‘، **’’ففعلت‘‘** ’’میں نے تیز کردی‘‘۔ آپ نے مینڈھے کو پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا۔

اس حدیث مبارک میں دو امور قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ اپنی قربانی کو ذبح ہوتے دیکھنا

۲۔ اپنے ہاتھوں سے قربانی کرنا

ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم نہ اپنے جانور کو خود ذبح کرتے ہیں اور نہ اسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں یعنی اس عملِ قربانی کو اہمیت ہی نہیں دیتے، اس میں دلچسپی نہیں لیتے، ہم قربانی کو بس ایک خرچ سمجھتے ہیں کہ جس طرح سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ دی جاتی ہے، اسی طرح یہ بھی سال کا ایک خرچ ہے، جو ہم نے کردیا ہے اور حصہ ڈال دیا ہے۔ ہم اسے ایک جرمانہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں، حصہ ڈال دیا اور بس بات ختم ہوگئی۔ ہم اس عملِ قربانی کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ حتی کہ بعض لوگ اس میں سے کھانا بھی پسند نہیں کرتے کہ ہم تو سارا سال گوشت کھاتے ہیں۔ دراصل ہم نے اللہ کی مرضی اور منشاء سمجھی ہی نہیں ہے کہ وہ ہم سے یہ قربانی کیوں کرواتا ہے۔۔۔؟ اس پر ہم نے کبھی توجہ ہی نہیں کی۔

آقا ﷺ دو جانوروں کی قربانی دیتے اور دونوں کو اپنے دست مبارک سے خود ذبح فرماتے۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو بھی فرماسکتے تھے مگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ آپ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے کہ میں اپنے جانور خود ذبح کروں، اس لیے نہیں کہ اپنا کام ہے تو خود انجام دیا جائے، نہیں بلکہ اس میں ایک راز ہے۔ اس راز کی تلاش میں قرآن مجید سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کے واقعہ کا مطالعہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا کہ:

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی ط قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ. (الصافات،۳۷:۱۰۲)

’’(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں سو غور کرو کہ تمہاری

کیا رائے ہے۔ (اسماعیل علیہ السلام نے) کہا ابّا جان! وہ کام (فوراً) کرڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے‘‘۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کو قربانی کے لیے لے گئے اور ذبح کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ایک مینڈھا اتارا اور اس کی گردن پر چھری چل گئی۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ. (الصافات، ۳۷: ۱۰۷)

’’اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اِس کا فدیہ کردیا‘‘ (اور یوں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ نے محفوظ رکھا۔)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی جانور کی قربانی کا حکم دے دیتا۔ بیٹے کی قربانی کیوں مانگی؟ اس کے اندر پنہاں پیغام یہ ہے کہ ہم جانور کی جو قربانی پیش کررہے ہیں، یہ محض جانور کی قربانی نہیں بلکہ یہ تو جان کی قربانی ہے۔ اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی اپنی جان کی بجائے ان کے بیٹے کی جان کیوں مانگی۔۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کو بیٹے کی جان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جان مانگی تو انہوں نے آمادگی سے کہا کہ مولا! میں تو تیری راہ میں قربان ہی ہوں مگر یہ میرا بیٹا بھی قربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں بس یہی امتحان لینا مقصود تھا، جان لینا مقصود نہیں، اس لیے مینڈھا قربان کروادیا۔

بس قربانی کی یہی حقیقت ہے اور اس میں یہی راز پوشیدہ ہے کہ ہم جب اپنے جانور کو قربان کرنے لگیں تو یہ واقعہ یاد کریں کہ اللہ کی مانگ تو ہماری جان ہے اور وہ دیکھنا یہ چاہتا ہے کہ ہم اس پر جان قربان کرتے ہیں یا نہیں۔۔۔؟ اس سے پیار کرتے ہیں یا نہیں۔۔۔؟ اس پر اپنی خواہشات، اپنی زندگی کا آرام و سکون اور مال قربان کرتے ہیں یا نہیں۔۔۔؟ لہذا اپنا جانور ذبح کرتے ہوئے یہ نیت اور خیال رہے کہ میرے مولا قربان تو تجھ پر اپنی جان کرتے ہیں مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت پر جانور ذبح کررہے ہیں۔

گویا بات دراصل دل کے حال کی ہے کہ چھری جانور کی گردن پر چل رہی ہو اور دیکھنے والا اللہ تعالیٰ کی محبت کی تلوار سے کٹ رہا ہو تو پھر اس جانور کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے وہ قربانی اللہ کے ہاں مقبول ہوجاتی ہے۔ خوش دلی اور اخلاص سے جانور قربان کرنے کی وجہ سے اللہ رب العزت ان سے راضی ہوجاتا ہے لیکن اگر دل میں رہے کہ اتنے ہزار کا جانور آیا، میں نے قربان کردیا، کیا فرق پڑا۔ دراصل بات جانور کی نہیں ہے بلکہ بات دل کے حال کی ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ دلوں کے حال پر نگاہ ڈالتا ہے کہ جانور کی قربانی دیتے ہوئے کیا وہ جانور میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے یا نہیں۔۔۔؟ کیا اپنی زندگی کی خواہشات کو اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے یا نہیں۔۔۔؟ کیا اپنی زندگی کی برائیوں، گناہوں، نافرمانیوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہے۔۔۔؟ کیا اپنے مال کو اللہ کے نام پر قربان کرنے پر آمادہ ہے۔۔۔؟ یہ حال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عیدالاضحیٰ کے دن دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ. (الحج، ۲۲: ۳۷)

’’ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘

وہ دیکھتا یہ ہے کہ کیا میرا بندہ اسی حال میں قربانی کر رہا ہے جس حال میں میرا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو قربان کررہا تھا۔۔۔؟ کیا یہ بھی اپنے آپ کو اس قربان گاہ پر محسوس کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ قربانی کے اس عمل کے پیچھے یہی راز کارفرما ہے۔

محترم قارئین! دل کے حال کو یوں بنالیں کہ اللہ کے حضور جب اپنی قربانی پیش کرنے لگیں تو یوں محسوس کریں کہ قربانی کے جانور کی گردن پر چھری چلانا دراصل ہماری اپنی خواہشات کی گردن پر اس کی محبت و رضا کی چھری کا چلنا ہے۔ اس کے حضور دل کا ہر ہر حال پکار کر کہہ رہا ہو کہ میرے مولا! جس طرح یہ جانور لیٹا ہے، ہم بھی تیرے حضور اسی طرح عاجز و بے بس ہیں۔۔۔ جو تو چاہے ہمارے ساتھ کر، ہم تیری ہر عطا پر راضی ہیں۔۔۔ جو کچھ تو ہمیں دے یا ہم سے واپس لے لے،

ہم ہر حال میں تجھ سے راضی ہیں۔ پھر اس اخلاص و رضا کو دیکھ کر وہ اپنی بارگاہ سے اس بندے پر خاص عنایت فرماتا ہے۔

ائمہ وعلماء اورعرفاء لکھتے ہیں کہ ہر عمل کا ایک اجر ہوتا ہے جیسا کہ تمام عبادات ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے لیکن قربانی ایسا عمل ہے کہ جس سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

القربان مایتقرب به الی الله وصارفی التعارف اسماً للنسیکة التی هی الذبیحة.

''قربانی وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے،اصطلاح شرع میں یہ قربانی جانور ذبح کرنے کا نام ہے''۔(المفردات للراغب ص ۴۰۸)

اب کیا قربِ الٰہی صرف گوشت تقسیم کرنے سے حاصل ہوگا؟ نہیں، بات وہی ہے کہ وہ دل کا حال دیکھتا ہے کہ کیا میرا بندہ میرے لیے مرتا ہے یا نہیں۔۔۔؟ اگر وہ اس عمل کے پیچھے اخلاص وللّٰہیت دیکھتا ہے تو پھر وہ اپنے بندوں کو اپنی قربتیں بھی عطا کرتا ہے۔

قربانی دیگر امم پر واجب کیوں نہیں؟

قربانی کا واقعہ تو سیدنا ابراہیم ؑ کا ہے جو جدالانبیاء ہیں، ان کی نسل میں ہزارہا انبیاء اور اُن کی امتیں آئیں۔ مگر ایسا کیا راز ہے کہ جدالانبیاء کا یہ عملِ قربانی صرف تاجدار کائنات ﷺ کی امت پر واجب ہے۔۔۔؟ یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر امم پر اس طرح واجب کیوں نہیں کی گئی جس طرح امتِ مسلمہ پر واجب ہے۔۔۔؟ جب یہ جدالانبیاء سیدنا ابراہیم ؑ کی سنت ہے تو جتنی بھی امتیں ان کی نسل سے ہیں، اس سنت کو ادا کرتیں لیکن آقا ﷺ کی ہی امت پر یہ عمل واجب کیوں کیا گیا؟

اس سوال کا جواب ہمیں سیدنا ابراہیم ؑ اور سیدنا اسماعیل ؑ کے تعمیر کعبہ کے واقعہ سے ملتا ہے کہ جب کعبۃ اللہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اس موقع پر سیدنا ابراہیم ؑ نے ایک دعا مانگی۔ میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم ؑ سے پوچھا ہوگا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس پر سیدنا ابراہیم ؑ نے پھر وہ مانگا جو سالہا سال سے ایک حسرت بن کر ان کے دل میں مچلتا آیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا ہوگا کہ مولا! اگر تو راضی ہوگیا ہے کہ ہم نے تیرا گھر بنایا ہے اور اب پوچھتا ہے کہ کیا مانگتے ہو؟ تو بس پھر اپنی سب سے قیمتی شے عطا فرما دے۔ پوچھا گیا ہوگا کہ وہ قیمتی اور محبوب چیز کیا ہے؟ تو پھر عرض کیا ہوگا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ .(البقرہ،۲: ۱۲۹)

''اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (ﷺ) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''

یعنی اپنے آخری نبی سیدنا محمد الرسول اللہ ﷺ کو میرے اسماعیل کی اولاد میں سے عطا فرمادے۔ گویا سیدنا ابراہیم ؑ نے اجرت میں خدا کا سب سے پیارا مانگا۔ حضرت ابراہیم ؑ نے اولادِ اسماعیل ؑ میں سے حضور ﷺ کے ہونے کی یہ دعا اچانک ہی نہیں مانگ لی بلکہ وہ اس دعا، حسرت اور خواہش کو سالہا سال سے اپنے دل میں بسائے ہوئے تھے اور اب صرف موقع کی تلاش میں تھے کہ مولا سے اپنی نسل میں اس کا محبوب ﷺ کب مانگوں؟ پھر جب آپ ؑ نے کعبہ تعمیر فرمایا تو یہ خواہش دعا بن کر لبوں پر آ گئی جسے اللہ نے قبولیت کا مژدہ سنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اولادِ ابراہیم ؑ میں سے قربانی صرف امتِ محمدی ﷺ پر واجب ہے۔

ائمہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا مقصد صرف واجب ادا کرنا نہیں ہے بلکہ درحقیقت امت محمدی ﷺ ہر سال اپنے جانور قربان کرکے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے جد مصطفیٰ حضرت اسماعیل ؑ کو زندگی عطا کی اور ان کی وساطت اور ذریعے سے انہیں اللہ کا محبوب ﷺ نصیب ہوا۔ یعنی امتِ محمدی ﷺ سے کہا جاتا ہے کہ اپنے محبوب سے پیار کرنے والو! شکرانے کا یہ انداز اپناؤ کہ ہر سال جانور ذبح کیا کرو کہ

اگر اس دن اسماعیل کی جگہ مینڈھا نہ آتا تو تمہیں میرا محبوب ﷺ کیسے ملتا؟ پس خدا نے اپنی سب سے عظیم نعمت اس عظیم امت کو عطا فرمائی جس کے شکرانے میں ہم قربانی ادا کرتے ہیں۔

حضور ﷺ، غرباءِ امت اور عملِ قربانی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ضحی رسول الله ﷺ بکبشین املحین اقرنین، ذبحهما بیده . (بخاری و مسلم)

’’رسول اللہ ﷺ نے سیاہ و سفید رنگوں والے، سینگدار مینڈھے اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرمائے۔‘‘

جب سے قربانی واجب قرار پائی، آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی ہر سال دو مینڈھے یا جانور باقاعدگی سے ذبح فرمائے۔ صحابہ کرامؓ روایت کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن حضور ﷺ نہ صرف ہر سال دو جانور باقاعدگی سے ذبح فرماتے بلکہ وہ جانور قابلِ دید بھی ہوا کرتے تھے۔ یعنی وہ جانور اپنی صحت، قدامت اور رنگت میں حسین ہوتے۔ جو جانور دیکھنے میں خوبصورت تر، فربہ، طاقتور اور قیمتی تصور ہوتا وہ جانور حضور نبی اکرم ﷺ ہر سال ذبح فرماتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب تو ایک جانور کی قربانی ہے لیکن آقا ﷺ دو جانور ہی باقاعدگی سے کیوں ذبح فرماتے؟ کوئی ایک سال بھی ایسا نہ ہوا کہ آقا ﷺ نے صرف ایک جانور ذبح فرمایا ہو۔

قربان جائیں ایسے مالک و آقا ﷺ پر کہ آپ ﷺ ہر سال ایک جانور اپنی طرف سے واجب کی ادائیگی کے لیے ذبح فرماتے اور ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے۔ تصور کیجیے کہ کیا کوئی ایسا مالک بھی ہوگا جو اپنے غلاموں کو اتنا یاد رکھے۔ حضور ﷺ قربانی کرتے وقت دعا فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ

’’الٰہی محمد ﷺ، آپ کی آل اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما‘‘۔ (مشکوۃ ص ۱۲۷)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ.

’’الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے ان امتیوں کی طرف سے قبول فرما جو قربانی نہیں کر سکے‘‘۔ (مشکوۃ ص ۱۲۸)

یعنی امت کا کوئی ایسا شخص بھی تو ہوگا جو قربانی نہ دے پائے گا، لہٰذا حضور ﷺ اسے بھی اپنی قربانی میں شامل فرماتے تاکہ میرا کوئی غلام اس نیکی سے محروم نہ رہے۔

اپنی ساری حیات مبارکہ میں آپ ﷺ نہ صرف دو جانور ذبح فرماتے رہے بلکہ اپنے وصال مبارک کے قریب مولا علی شیر خدا ؓ کو بھی آپ ﷺ نے وصیت فرمائی۔ حضرت علی ؓ روایت کرتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْهُ. فَاَنَا اُضَحِّ عَنْهُ.

’’رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس بات کی وصیت فرمائی تھی کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں۔ سو میں سرکار کی طرف سے (بھی) قربانی کرتا ہوں‘‘۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ، مشکوۃ ص ۱۲۸)

لہٰذا مولا علی شیر خدا آپ ﷺ کے حکم پر اپنے سنِ وصال تک ساری زندگی ہمیشہ دو جانور قربان فرماتے رہے، ایک اپنی طرف سے اور ایک تاجدار کائنات ﷺ کی طرف سے۔

قارئین! جب ہمارے محبوب آقا ﷺ خود قربانی دیتے تو اپنی امت کو کبھی نہیں بھولے تو آج ہم حضور ﷺ کے غلام قربانی دیں تو اپنے آقا ﷺ و مولا کو کیسے بھول جائیں؟ اسی لیے اہل اللہ اور صلحاء میں سے جو لوگ استطاعت رکھتے، وہ دو جانوروں کی قربانیاں کرتے رہے۔ شیخ الاسلام کا بھی ہمیشہ سے یہی معمول ہے کہ دو قربانیاں دیتے ہیں، ایک تاجدار کائنات ﷺ کی طرف سے اور ایک اپنا واجب ادا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں صدق و اخلاص اور للّٰہیت پیدا فرمائے اور ہم جو بھی عمل کریں، اللہ کے لیے کریں، اس عمل کی بجا آوری کو بے خیالی و بے دھیانی سے نہیں بلکہ دلجمعی و خوشدلی کے ساتھ کریں۔ اس لیے کہ اخلاص و صدقِ نیت کے ساتھ ہی کیا گیا عمل ایسا نور پیدا کرتا ہے جو ہماری زندگیوں کو تبدیل کرنے اور اللہ رب العزت کے قرب کے حصول کا ذریعہ قرار پاتا ہے۔

عبادات و معاملات میں حُسن و نظم کا اہتمام

آپ ﷺ دین و دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کو عملی جامہ پہنانے میں فنی مہارت، پختگی، عمدگی اور نفاست کو پسند فرماتے تھے جبکہ کام کو محض خانہ پُری اور سر کا بوجھ اتارنے کے انداز میں کرنا آپ ﷺ کو قطعاً ناپسند تھا

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

گزشتہ سے پیوستہ

حدیث و سیرت اور شمائل و اخلاق نبوی ﷺ پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حسین عادات و خصائل میں سے ایک خوبصورت عادتِ کریمہ اور خصلتِ حسنہ یا طبعی ذوق یہ بھی تھا کہ آنجناب علیہ التحیة والثناء دین و دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کو عملی جامہ پہنانے میں فنی مہارت، پختگی، عمدگی، نفاست، منصوبہ بندی، صفائی ستھرائی، حسنِ ترتیب، نظم و ضبط، تہذیب و شائستگی، بردباری، وقار، اذیت رسانی سے گریز، احتیاط اور خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح کسی بھی چیز اور معاملہ میں ناپختگی، بدہیئتی، بدصورتی، بدنظمی، بے ڈھنگی اور بے ترتیبی کا مظاہرہ گوارا نہیں تھا۔ کام کو محض خانہ پُری، جان چھڑانے، صرف کارروائی ڈالنے اور سر کا بوجھ اتارنے کے انداز میں کرنا آپ ﷺ کو قطعاً ناپسند تھا۔

ذیل میں سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں چند واقعات درج کیے جا رہے ہیں:

۱۔ قبر کی تیاری میں خوبصورتی کا لحاظ

قبر کا واحد اور بڑا مقصد میت کو زمین کے پیٹ میں چھپا دینا ہے۔ قبر میں خوبصورتی اور حسن کاری کا لحاظ بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا مگر حضور اکرم ﷺ کو اس معاملے میں بھی کسی قسم کی کوتاہی، بدہیئتی اور بے ڈھنگا پن قبول نہیں تھا۔ صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی تدفین کے موقع پر قبر کی تیاری کے وقت ایک رخنہ باقی رہ گیا اور قبر پوری طرح برابر نہ کی گئی تو حضور اکرم ﷺ سے یہ رخنہ اور قبر کی بدہیئتی برداشت نہ ہوسکی اور امر بھا ان تسدّ: اسے بند کرنے کا حکم فرمایا۔ پاس کھڑے ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اس سے مدفون کو کیا نفع پہنچے گا؟ فرمایا:

اما انها لا تضر ولا تنفع ولكنها تقر عين الحی.

(متقی الہندی: کنزالعمال، کتاب الموت، قسم الاقوال باب فی الدفن، رقم ۴۲۳۹۶ـ۴۲۳۹۷، ۱۴۹۵۶)

’’بے شک رخنہ کی یہ بندش میت کو کوئی نقصان پہنچائے گی نہ کوئی نفع مگر اس سے زندہ آدمی کی آنکھ تو ٹھنڈی ہوگی (یعنی خوبصورت قبر دیکھ کر اسے خوشی ہوگی)۔‘‘

ایک دوسری روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے کی قبر پر کھڑے ہوکر دیکھا کہ اس کی ایک اینٹ ٹیڑھی لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے اس کو درست کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں کہ اینٹ کی یہ درستگی میت کو کوئی نفع نقصان نہیں پہنچاتی:

لكن الله يحب من العامل اذا عمله ان يحسن.

(کنزالعمال، رقم: ۴۲۳۹۵)

’’لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرے تو اسے خوبصورتی سے کرے۔‘‘

اور ایک روایت کے مطابق یوں فرمایا کہ:

اذا عمل احدكم عملا فليتقنه.

(محمد رضا، محمد رسول اللہ، الاقتداء باخلاق رسول اللہ، ص ۴۶۸)

’’جب تم میں سے کوئی آدمی کوئی بھی کام کرے تو اسے مضبوطی اور بڑی فنی مہارت سے کرے۔‘‘

قبر تک میں جو پیغمبر آنکھوں کی خنکی کو ملحوظ رکھتے ہوں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی دیگر چیزوں اور دوسرے اہم کاموں میں حسن کاری اور حسن پسندی سے متعلق ان کا ذوق کتنا بلند اور کس قدر پاکیزہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے قبروں کے حوالے سے ہدایت فرمائی کہ:

احفروا واوسعوا واحسنوا. (ابن ماجه، السنن، ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی حفر القبر، رقم ۱۵۶۰)

’’قبریں گہری کھودا کرو اور انہیں کھلا رکھو اور خوبصورت بناؤ (یا میت کے ساتھ غسل کفن دفن اور قبر کے معاملے میں خوبصورت طرزِ عمل اختیار کرو)۔‘‘

۲۔ تھوکتے وقت بھی حسن کاری کی تعلیم

تھوکنا انسان کی ایک ادنیٰ سی طبعی ضرورت ہے۔ معلمِ انسانیت ﷺ نے اس معاملے میں بھی حسن کاری اور کچھ آداب کی تعلیم دی ہے۔ ایسا نہیں کہ جہاں جی چاہا اور جیسے جی چاہا یہ ضرورت پوری کرلی۔ ان آداب کا لحاظ نہ کرنے پر حضور ﷺ نے کس قدر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے لگایا جاسکتا ہے:

’’حضرت ابو سہلہ السائب ﷺ بن خلاد جو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی ایک قوم کی امامت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے قبلہ کی طرف (منہ کرکے) تھوک دیا اور اللہ کے رسول ﷺ دیکھ رہے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا:

لا یصل لکم: اب یہ آدمی تمہیں نماز نہ پڑھائے۔

اس کے بعد اس نے لوگوں کو نماز پڑھانا (امامت کرانا) چاہی تو انہوں نے اسے (نماز پڑھانے سے) روک دیا۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نعم، (ہاں میں نے ہی ایسا حکم دیا) اور میرا (راوی کا) گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: انک آذیت اللہ ورسوله.

’’بے شک تو نے (اس حرکت سے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچائی۔‘‘ (ابوداؤد، السنن، کتاب الصلوۃ فی کراہیۃ البزاق فی المسجد، ۱: ۸۱، رقم ۴۸۲)

قبلہ کی طرف منہ کرکے تھوکنے کے علاوہ پبلک مقامات، گھر، دفتر اور مجلس میں ہی تھوک دینا کس قدر طہارت و صفائی کے خلاف، طبی نقطہ نظر سے کتنا نقصان دہ، کس قدر اذیت و گھن کا باعث اور تہذیت و وقار کے خلاف ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

۳۔ حسن کارکردگی پر حضور ﷺ کی طرف سے تحسین و انعام

اہلِ اسلام میں حسن کاری اور حسن پسندی کی سوچ، ذوق اور کلچر کو فروغ دینے کے لیے سیرت نبوی ﷺ میں یہ معمول بھی نظر آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بھی کام میں حسنِ کارکردگی، عمدگی اور فنی مہارت کا ثبوت دیتا اور مظاہرہ کرتا تو نبی رحمت ﷺ نہ صرف اس کی زبانی تحسین فرماتے بلکہ بعض اوقات اسے نقد انعام و اکرام سے بھی نوازتے۔ یہ طرزِ عمل انسانی نفسیات کے مطابق جہاں اس آدمی کی حوصلہ افزائی کا سبب ہے وہاں دوسرے لوگوں کو اس جیسے کام کی ترغیب اور شوق دلانے کا بھی مؤثر ذریعہ ہے۔ آئندہ سطور میں اس طرح کے چند واقعات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن میں کسی صحابی نے حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو نبی رحمت ﷺ نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا، کلماتِ تحسین ارشاد فرمائے اور بعض مواقع پر انعام بھی عنایت فرمایا۔

(۱) مصنوعات میں خوبصورتی اور معیار پر تحسین

درج ذیل روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو مصنوعات میں خوبصورتی اور معیار پسند تھا اور اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ مصنوعات میں سے کسی بھی چیز کے اندر خوبصورتی اور معیار قائم رکھنا خود صانع کے لیے کتنی عزت، شہرت اور ترقی کا باعث ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی پسند اور تحسین کے پیش نظر کسی بھی چیز کی تیاری/ پروڈکشن میں خوبصورتی اور معیار کا لحاظ یقیناً ’’ہم خرما و ہم ثواب‘‘ کے مترادف ہے۔

’’حضرت بکر بن عبداللہ المزنی کہتے ہیں کہ میں خانہ

کعبہ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: کیا بات ہے کہ میں آپ کے چچا کی اولاد کو حاجیوں کو شہد اور دودھ پلاتے دیکھتا ہوں اورتم لوگ انگور کا جوس (نبیذ) پلاتے ہو۔ کیا ایسا کسی تنگی کے باعث ہے جو تمہیں لاحق ہوگئی ہو یا بخل کی وجہ سے ہے؟ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے نہ تو ہمیں کوئی تنگی لاحق ہے اور نہ یہ کنجوسی کا نتیجہ ہے۔ دراصل نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تشریف لائے جبکہ ان کے پیچھے حضرت اسامہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پانی طلب کیا تو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں نبیذ کا ایک پیالہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے پیا اور اس کا بقیہ حضرت اسامہؓ نے پی لیا اور (پھر خوش ہوکر) فرمایا:

احسنتم واجملتم كذا فاصنعوا.

”تم نے بہت اچھا (شربت تیار) کیا اور بہت عمدہ بنایا۔ اسی طرح (خوبصورت اور عمدہ چیز) بنایا کرو۔ تو ہم نہیں چاہتے کہ اس چیز کو بدل دیں جس کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔“ (مسلم، الصحیح، کتاب الحج باب فضل القیام بالسقایۃ والثناء علی اھلہا، ۱: ۴۲۳)

(۲) پروقار انداز میں ملاقات پر تحسین اور بشارت

انفرادی اور اجتماعی و قومی سطح پر اہم امور و معاملات میں غوروفکر، سوچ بچار، حوصلہ و تدبر اور باہمی مشورہ بڑی برکات اور ہمیشہ خیر کا موجب ہوتا ہے۔ جبکہ جذبات، غصے، جوش اور جلد بازی میں اٹھایا گیا قدم عام طور پر زندگی بھر کے پچھتاوے، افسوس اور نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے نبی رحمت ﷺ نے غوروفکر، حوصلے اور سوچ سمجھ کر کام کرنے کو اللہ کریم کی جانب (رحمت الٰہی سے) منسوب کیا ہے جبکہ سوچے سمجھے اور انجام پر نظر کیے بغیر کام کرنے کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی بھی کام میں جلد بازی اور بے صبری کا مظاہرہ اور اسے سوچے سمجھے بغیر مطلوبہ آداب کے مطابق اور احسن طریق پر سرانجام نہ دینے سے چونکہ اس میں جھول اور خامی رہ جاتی ہے اس لیے اللہ و رسول ﷺ کو پسند نہیں۔ اس حوالے سے عہد نبوی ﷺ کا ایک ایمان افروز واقعہ اور نبی رحمت ﷺ کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

”ام ابان بن وازع بن زارع اپنے دادا زارع بن عامر سے جو وفد عبدالقیس کے ہمراہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے، روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله ﷺ ورجله.

”جب ہم مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک اور پاؤں کو بوسہ دینے لگے۔“

البتہ المنذر الاشج (رئیسِ قافلہ) نے اس طرح جلد بازی سے کام نہ لیا بلکہ پہلے اپنے صندوق/ تھیلا کے پاس آئے، اپنے کپڑے تبدیل کیے (سفر والا لباس اتار کر خوبصورت لباس پہنا) پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ان سے (ان کی یہ ادا دیکھ کر) فرمایا:

بے شک تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے۔ بردباری اور متانت و آہستگی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دو خصلتیں حلم اور حیا ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنے طور پر ان اخلاق/ عادات کا مظاہرہ کررہا ہوں یا اللہ نے یہ خصلتیں میری جبلت و طبیعت میں رکھی ہیں؟ فرمایا: بلکہ اللہ نے تمہیں ان خصلتوں پر پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے میری جبلت وفطرت میں (خلقی طور پر) ایسی دو خصلتیں رکھ دی ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ پسند کرتا ہے۔

(ابوداؤد، السنن، کتاب الادب باب قبلۃ الرجل، ۲: ۷۰۹)

تحمل و بردباری، آہستگی، انجام بینی اور پورے غوروفکر سے کام سرانجام دینا عقل ونقل کے اعتبار سے بڑی دانشمندی اور عقلمندی کی بات ہے۔ انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا کے ہر دانا اور عاقل آدمی کا ہمیشہ یہی طریق رہا ہے۔ کیونکہ اسی رویہ سے کام میں پختگی، مضبوطی، استحکام، پائیداری اور حسن و زینت پیدا ہوسکتی ہے۔

(۳) گارا بنانے میں حسن کاری پر تحسین نبوی ﷺ

کسی دیوار کی تعمیر یا اینٹوں کی چنائی کے لیے مٹی کا گارا بنانا کوئی قابلِ ذکر کاموں میں سے نہیں۔ مگر نبیٔ رحمت ﷺ نے اس معاملے میں بھی حسن کاری کی تحسین فرمائی۔ گویا کسی بھی کام کو احسن انداز میں سرانجام دینا حضور نبی اکرم ﷺ کو پسند تھا۔ چنانچہ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع تھا تو حضر موت کا ایک شخص طلق بن علی وہاں آیا۔ وہ مٹی گوندھنے اور گارا بنانے کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ حضور ﷺ اس کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

رحم الله امرا احسن صنعه۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو جس کام کو کرتا ہے تو بڑے حسن وخوبی سے کرتا ہے۔

پھر اسے فرمایا کہ تم یہی کام کیا کرو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے بڑے اچھے طریقے سے کرتے ہو۔ طلق کہتا ہے کہ میں نے کسّی پکڑلی اور گارا بنانے میں مصروف ہوگیا۔ حضور ﷺ میرے کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: اس کو گارا بنانے پر ہی رہنے دو کیونکہ یہ اس کام کو تم سے زیادہ عمدگی سے کررہا ہے۔ (الکتانی، السید محمد عبدالحی، نظام الحکومۃ النبویۃ، دار ارقم بیروت، س ن، ۲: ۵۶۔۵۷)

(۴) پختہ کار کے لیے دعاءِ نبوی

کسی بھی کام میں پختہ کاری اور فنی مہارت و استحکام کا مظاہرہ نبی رحمت ﷺ کو کتنا پسند ہے۔ اس کا اندازہ آپ ﷺ کی پختہ کار کے لیے اس دلی دعا سے لگایا جاسکتا ہے جو بے ساختہ آپ کی زبان پر آگئی تھی۔ چنانچہ فرمایا:

رحم الله من عمل عملاً فاتقنه.

(القرطبی، الجامع القرآن، ۱۳: ۲۱۸، تحت سورۃ النمل: ۸۸)

''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو کوئی کام کرے تو اسے پختگی سے کرے۔''

اس دعاءِ نبوی ﷺ کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا درج ذیل تفسیری وتشریحی نوٹ لائق مطالعہ ہے۔ سورۃ النمل کی آیت نمبر ۸۸ (صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ الخ) کی تفسیر میں حضور ﷺ کے مذکورہ فرمان کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

حضور ﷺ کا امتی جو کام کرے اس میں اپنی فنی پختگی اور صنعتی مہارت کا ناقابلِ تردید ثبوت بہم پہنچائے۔ کسی کام کو نیم دلی اور بے توجہی سے کرنا یا اس میں کوئی خامی اور نقص باقی رہنے دینا ہمارے آقا ﷺ کو ہرگز پسند نہیں۔ پختگی، پائیداری اور نفاست کون سی چیز ہے جس کا ذکر حضور ﷺ کے اس فرمان میں نہ آگیا ہو۔ حضور ﷺ اپنے غلاموں سے اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ فنی، صنعتی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس حدیث کو لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کریں۔

(محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ۳: ۴۶۹۔۴۷۰)

(۵) ایک بچے کے خوبصورت اندازِ خدمت پر حضور ﷺ کی دعا

یہاں مذکورہ نوعیت کے ایک اور ایمان افروز واقعہ کا مطالعہ بھی بے جا نہ ہوگا جس میں ایک انصاری بچے نے حضور اکرم ﷺ کی محبت و خدمت کا خوبصورت انداز اپنایا تو آپ ﷺ نے خوش ہوکر اسے دعا سے نوازا۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

ایک چھوٹا انصاری لڑکا (غُلیم) ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے گزرنے کے راستے پر بیٹھ گیا۔ جب آپ ﷺ نماز کے لیے وہاں سے گزرے تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا بایاں جوتا اپنے دائیں پاؤں کی مدد سے اتارا تو اسے اس بچے نے پکڑ لیا، اسے اپنی چادر سے صاف کیا، پھر منہ سے پھونک مار کر اس کی گرد و غبار کو جھاڑا۔ جب آپ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہوگئے اور آپ ﷺ نے واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو اس بچے نے آپ ﷺ کو آپ کا دایاں جوتا پکڑایا جسے آپ ﷺ نے پہن لیا، پھر اس نے آپ ﷺ کو بایاں جوتا پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے بھی پہن لیا، پھر یہ بچہ کئی دن تک اسی طرح اس خدمت ومحبت کا مظاہرہ کرتا رہا۔

(ایک دن) اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے پوچھا: اے بچے تم کون ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، انصار میں سے ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہیں اس چیز کا حکم کس نے دیا ہے؟ اس نے عرض کیا: مجھے کسی نے اس خدمت کا حکم نہیں دیا۔ میں اپنے طور پر ہی اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خوشی و

مسرت کا سامان کروں۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: باری تعالیٰ یہ بچہ میری خوشی کا خواہاں ہے تو اسے دنیا و آخرت میں خوشی عطا فرمانا۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ (الخرکوشی، النیساپوری، شرف المصطفی، جامع ابواب صفۃ اخلاقہ وآدابہ فصل فی کرمہ مع اصحابہ واکرامہ لہم، ۴: ۵۳۶، رقم ۱۸۶۶)

اسی قسم کے خوبصورت اندازِ محبت یا حسن کاری اور حضور ﷺ کی دعا پر مشتمل ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے انصار کے ایک لڑکے سے فرمایا: (بیٹا)! مجھے میرا جوتا پکڑا دو تو اس لڑکے نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپؐ مجھے اجازت فرمائیے کہ میں خود آپ ﷺ کے پاؤں مبارک میں دونوں جوتے پہناؤں۔ اس پر خوش ہوکر اللہ کے رسول ﷺ نے اس بچے/لڑکے کے لیے یوں دعا فرمائی:

اللھم ان عبدک ھذا یترضاک، فارض عنه. (ایضاً،۴: ۵۳۷)

”اے اللہ! بے شک تیرا یہ بندہ (اس عمل کے ذریعے) تیری رضا وخوشنودی چاہتا ہے۔ پس تو بھی اس سے راضی ہوجا۔“

(۸) خاوند کے ساتھ حسنِ معاشرت پر جہاد کے ثواب کی نوید

ایک عورت کا بنیادی اور اصولی فریضہ گھر کو عمدہ طریقے سے سنبھالنا، بچوں کی تعلیم و تربیت، گھر کی نگرانی، امور خانہ داری کی احسن طریقے سے انجام دہی، خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری اور حسنِ معاشرت ہے۔ اگر وہ اپنے اس بنیادی فرض میں حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہے تو نبی رحمت ﷺ نے اس رویے یا حسن کاری کی ترغیب کے لیے اسے جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف قرار دیا ہے۔

چنانچہ ایک بار ایک خاتون نے نبی رحمت ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! مرد تو تلوار اٹھا کر جہاد کرتے ہیں اور زندگی یا شہادت دونوں صورتوں میں بڑا مرتبہ پاتے ہیں، ہم اس لیے اس اجر و ثواب سے محروم رہ جاتی ہیں کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

وجھاد المرأة حسن التبعل لزوجھا. (شعب الایمان)

”اور عورت کا جہاد گھر کے ماحول کو سازگار بنانا، اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اس کے ساتھ حسنِ معاشرت ہے۔“

حاصلِ کلام

دین دنیا کے کسی بھی کام میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے عقلاً اور نقلاً ضروری ہے کہ اسے پورے غوروفکر سے، سوچ سمجھ کر، انجام کو مدنظر رکھ کر پورے اطمینان و حوصلے سے اور پروقار انداز میں سرانجام دیا جائے ورنہ وہ کام بدصورت ہی نہیں خراب بھی ہوگا اور انسان کی ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ ایک حدیث نبوی ﷺ میں غوروفکر اور بردباری سے کام سرانجام دینے کو پیغمبرانہ وصف قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سرجس المزنی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

السمت الحسن والتودة والاقتصاد جزء من اربعة وعشرين جزء من النبوة. (ترمذی، الجامع، ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی التانی والعجلۃ، ۲: ۴۶۴، رقم ۱۹۷۰)

”خوبصورت طرز عمل/ روش، غوروفکر اور بردباری سے کام کرنا اور (تمام امور میں) میانہ روی نبوت کا چوبیسواں جزء ہے۔“

جبکہ ایک دوسری حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے غوروفکر اور بردباری سے کام سرانجام دینے کو اللہ کی جانب سے القاء کے مترادف اور سوچے سمجھے بغیر جلد بازی کے مظاہرہ کو شیطانی وسوسہ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اللہ کے پاک رسول ﷺ نے فرمایا:

الاناة من الله والعجلة من الشيطان.

(ایضاً، ۲: ۴۶۵، رقم ۱۹۷۲)

”آہستگی، بردباری اور غوروفکر سے کام کرنا اللہ کریم کی طرف سے جبکہ جلد بازی سے کام لینا شیطان کی طرف سے ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں دین و دنیا کے ہر معاملہ کو حُسن و نظم، نفاست، عمدگی، پختگی اور سلیقہ وقرینہ کے ساتھ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

❁❁❁❁❁

سیرت و سوانح

حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ

آپ کا سلسلہ نسب 16 واسطوں سے حضور سیدنا غوث الاعظمؓ
اور 28 واسطوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے

یومِ وصال (23 ذوالقعدہ) کی مناسبت سے خصوصی تحریر

شہزاد رسول قادری

برصغیر پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے فیوض و برکات کا سلسلہ ان کی زندگی میں ہی اس سرزمین میں پہنچ گیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلے ان کے بڑے فرزند حضرت سیدنا عبدالرزاقؒ ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس بغداد شریف چلے گئے۔ اس کے بعد سے آج تک برصغیر پاک و ہند سے کسبِ فیض کے لیے مشائخ و اولیاء، صلحاء، امراء و سلاطین اور عوام الناس کی بغداد آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر عہد میں اہلِ دل حضور سیدنا غوث الاعظمؓ کی اولاد کو ہندوستان تشریف لانے کی دعوت دیتے رہے اور وقتاً فوقتاً خاندانِ گیلانیہ کے اکابر اور مشائخ ہندوستان تشریف لاتے رہے۔ آل النقیب، قدوۃ الاولیاء، سیدالسادات، شیخ المشائخ، قطب العالم حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادیؒ کی پاکستان تشریف آوری اور سکونت اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانیؒ کا پورا خاندان اور گھرانہ مشائخ ونقباء پر مشتمل تھا اسی عالی قدر خاندان سے فیض کی کرنیں عالم عرب سے نکل کر مشرق بعید، یورپ، افریقہ اور امریکہ تک پھیلیں۔ اس فیض کا اصل مرکز اور سرچشمہ ان کے جد امجد حضور سیدنا غوث الاعظمؓ کی ذاتِ گرامی تھی۔ جہاں سے اب بھی دنیا بھر کے طالبانِ حق فیضان سمیٹتے ہیں اور قیامت تک اس مرکزِ انوار کی خیرات بٹتی رہے گی۔

حضور پیر صاحبؒ نے روحانی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی حضرت سیدنا شیخ محمود حسام الدین الگیلانیؒ سے حاصل کی اور انہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ وہ دربارِ غوثیہ کے متولی، نقیب الاشراف اور اپنے عہد میں خاندان گیلانیہ کی سب سے عظیم شخصیت تھے۔ انہیں ان کے والد بزرگوار قطب الاقطاب حضرت سیدنا شیخ عبدالرحمٰن النقیبؒ نے اپنی زندگی میں ہی نقیب الاشراف کی اہم ذمہ داری سے سرفراز کردیا تھا۔ یہی وہ ہستی ہے جسے حضور سیدنا غوث الاعظمؓ نے روحانی طور پر براہ راست اپنی خلافت سے نوازا تھا اور اس عہد کے بیشتر اولیاء کرام نے اس امر کی تصدیق کی تھی۔ پورا عالمِ اسلام آپؒ کی علمی و روحانی اور سیاسی بصیرت کا معترف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی خصوصی تربیت کی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اپنے والد گرامی کے علاوہ بھی آپؒ نے بغداد شریف کے کئی مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔

خاندانی سیادت ونجابت

شیخ سیدنا طاہر علاؤالدینؒ حسنی حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب 16 واسطوں سے حضور سیدنا غوث اعظمؓ سے اور 28 واسطوں سے حضور اکرم ﷺ سے جاملتا ہے جبکہ آپ کا سلسلہ طریقت 19 واسطوں سے سیدنا غوث الاعظمؓ تک اور 35 واسطوں

سے سلسلہ طریقت سید دو عالم حضور نبی اکرم ﷺ سے جاملتا ہے۔

پاکستان میں تشریف آوری اور اقلیم ولایت کی سپردگی

حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کے روحانی حکم پر حضور قدوۃ الاولیاء 1956ء میں پاکستان تشریف لائے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو حضور غوث صمدانیؒ نے پاکستان کی اقلیم ولایت سپرد کرنے کے لیے لاہور میں حضور سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ بغداد شریف سے سیدھا لاہور تشریف لائے اور چند دنوں کے لیے حضور داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر چلہ کش ہوگئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت خواجہ اجمیریؒ ولایتِ ہند کی تاجداری کی سپردگی کے لیے چلہ کش ہوئے تھے اور ہر زمانہ میں اکابر و اصاغر سب اولیاء کرام حاضری دیتے رہے۔

حضور قدوۃ الاولیاء کی جوانی کا زمانہ تھا۔ آپ احاطہ مزار میں چند دن خیمہ زن رہے۔ بالآخر یہاں سے تقرری کا حکم نامہ جاری ہوا اور کوئٹہ (صوبہ بلوچستان) میں سکونت اختیار کرنے کا اشارہ ملا۔ آپؒ نے کوئٹہ میں سکونت اختیار فرمائی جو بعد میں مستقل قیام میں بدل گئی۔

دین کی تڑپ اور طریقت و شریعت کی خدمت کا جذبہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اور طبیعت میں بچپن سے ہی روحانی میلان غالب تھا۔ یہاں آکر آپؒ نے سلسلہ قادریہ میں ایک نئی روح پھونکی۔ شب و روز دین کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور بہت تھوڑے عرصہ میں پاکستان سمیت برصغیر کے کونے کونے میں آپؒ کے روحانی مقام و مرتبہ کا شہرہ ہوگیا اور مسافرانِ راہِ عشق اور طالبانِ راہِ حق کشاں کشاں کوئٹہ میں آپؒ کے آستانہ عالیہ میں حاضر ہونے لگے، جہاں قدم قدم پر تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے اور فعال تصوف کی خوشبو مشام جاں کو معطر کر رہی تھی۔

حضور سیدنا غوث الاعظمؒ سے آپ کی نسبی قربت کا منفرد اعزاز تو تھا ہی لیکن آپ نے اپنے حسنِ خلق، پاکیزہ سیرت، اتباع شریعت و طریقت، انوارِ معرفت و حقیقت اور برکات و کرامات کے باعث ایک جہان زندہ کردیا۔ نگاہِ مردِ مومن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں اور اندر کے احوال تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کی گفتگو میں ایسی تاثیر رکھ دی تھی کہ حسنِ مقال کی تمام رعنائیاں پھول بن کر آپ کے لفظ لفظ میں کھل اٹھتیں اور جو تشنہ لب بھی آپ کے در پر آتا وہ معرفت کے آبِ خنک سے سیراب ہوکر اور اپنے دامنِ آرزو میں حکمت و دانش کے جواہر سمیٹ کر جاتا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کی دولت بھی وافر عطا فرمائی تھی چنانچہ اس ظاہری و باطنی جمال اور تقویٰ و طہارت کے کمال نے آپؒ کو عوام و خواص سب کے لیے نہایت اعلیٰ مرتبت بنادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے جد امجد حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی سفیر اعظم تھے۔ اس لیے اللہ پاک نے آپ کو صورت و سیرت میں ان کا جانشین بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت عوام الناس تو کیا صوفیاء اور مشائخ کے لیے بھی باعثِ رشک اور قابلِ تقلید تھی۔ انہیں کئی بار عالمِ عرب و عجم کے علماء و مشائخ کے جھرمٹ میں دیکھا گیا مگر ہر بار وہی سب کے سرخیل نظر آئے۔ آپؒ کی موجودگی میں کسی کی عظمت و جلالت کا چراغ جلتا تھا اور نہ کسی کی پیشوائی ان سے زیادہ معتبر لگتی تھی۔

علماء و مشائخِ ہند کی قدر دانی

ہندو پاک کے جملہ مشائخ اور علماء و محدثین عظام آپؒ کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتے کہ اس کی مثال عصرِ حاضر میں ملنا مشکل ہے۔ حضور قدوۃ الاولیاءؒ جب حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خانؒ کی دعوت پر بریلی شریف (ہندوستان) تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظم ہندؒ نے بریلی شریف کے ریلوے اسٹیشن پر آپؒ کا فقیدالمثال استقبال کیا۔ لاکھوں مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر حاضر تھا۔ آپ کی گاڑی کو لمبے لمبے بانسوں کے ذریعے ہزارہا مسلمانوں نے عظیم مشائخ و علماء سمیت اپنے کاندھوں پر اٹھالیا اور کئی میل کا سفر اسی طرح طے کرکے عقیدت و احترام کا ایک نیا باب رقم کیا۔

مولانا مفتی تقدس علی خان مرحوم نے بیان فرمایا کہ میں

خود بھی آپ کی گاڑی کو کندھوں پر اٹھانے والوں میں شامل تھا۔ آپ نے بریلی شریف میں تین دن قیام فرمایا اور اس دوران مفتی اعظم ہند آپ کی تعظیم میں تینوں دن ننگے پاؤں رہے اور آپ کے وضو کے لیے ہر وقت خود خدمت بجالاتے رہے۔ اسی دوران آپ کے صاحبزادگان بشمول مولانا اختر رضا خان حضور قدوۃ الاولیاؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

اسی طرح حضور قدوۃ الاولیاءؒ جب محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمدؒ کی دعوت پر فیصل آباد تشریف لائے تو انہوں نے ریلوے اسٹیشن سے جامعہ رضویہ جھنگ بازار تک راستوں پر سفید کپڑوں کے تھان بچھوائے جس پر آپ کی گاڑی چلتی تھی۔ ایک مرتبہ حضور قدوۃ الاولیاءؒ جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو رش کی وجہ سے زمین پر بچھائی گئی سفید چادر ہٹ گئی، زمین ننگی ہوگئی، حضرت محدث اعظم پاکستان حضور قدوۃ الاولیاءؒ کے سامنے زمین پر گر پڑے اور اپنی ریش مبارک سے جگہ صاف کرنے لگے۔ موقع پر موجود علماء کرام حضور سیدنا غوث الاعظمؒ اور آپ کی اولاد اطہار کے لیے حضرت محدث اعظمؒ کا حد درجہ ادب اور کمال تواضع اور انکساری دیکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

یہی حال دیگر علماء کرام اور مشائخ کا تھا۔ غزالی زمان حضرت علامہ احمد سعید کاظمیؒ کراچی میں آپ کے درِ دولت پر بغرضِ زیارت حاضر ہوئے تو قدم بوسی کے لیے نیچے گر پڑے اور حضرت کی قدم بوسی کی۔ لاہور میں حزب الاحناف کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادریؒ نے آپ سے چند گھونٹ نوش فرمانے کے بعد آپ کی چائے مانگی اور چائے کی دیگ میں ڈال دی، تمام مشائخ عظام اور علماء کرام اس میں سے ایک ایک دو دو گھونٹ تبرکاً لے کر پیتے رہے۔

الغرض حضور قدوۃ الاولیاءؒ کی شخصیت میں قدرت نے وہ تمام خوبیاں سمودی تھیں جن کی وجہ سے طول العمر آپ اکابر مشائخ و علماء کی عقیدتوں کا مرکز رہے۔

سلسلہ قادریہ کی سرپرستی

آپؒ کو بجا طور پر سلسلہ عالیہ قادریہ کا مجدد کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے دنیا کے بیشتر ممالک میں سلسلہ قادریہ کا فیض پہنچایا اور زندگی بھر سلسلہ قادریہ کی سرپرستی فرمائی۔ حضور پیر صاحب شرق سے غرب دنیا بھر کے ممالک میں سلسلہ قادریہ کے سرپرست اور مربی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اندرون و بیرون پاکستان سے لاکھوں مریدین آپ سے بالمشافہ اور خط و کتابت کے ذریعے روحانی اور علمی رہنمائی حاصل کرتے رہے۔

دین کی دعوت و تبلیغ اور حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کا فیض پہنچانے کے لیے آپؒ نے اسلامی ممالک کے علاوہ افریقہ، یورپ، انگلینڈ، سویڈن، ناروے، ہالینڈ، مغربی جرمنی مناکو، بیلجیم، کینیڈا، کوریا، سائیگان، انڈونیشیا، برما، جاپان، سری لنکا، سنگاپور اور بھارت کے دورے کیے۔ مشرق وسطیٰ کے جملہ ممالک اور ریاستوں میں تو بارہا آپ کا آنا جانا رہتا تھا۔

جمالِ محمدی ﷺ کا عکس نشین

سید دو عالم نور مجسم حضور نبی اکرم ﷺ جس طرح جمال صورت اور کمال سیرت میں یکتا تھے اسی طرح آپ کے اہل بیت اطہار میں بھی یہی خوبی نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے نسبی و روحانی فرزندوں کے حسنِ صورت و سیرت کو دیکھ کر آج بھی لوگ جمالِ محمدی ﷺ کا کیف محسوس کرتے ہیں۔ اسلام کے تذکروں میں اکثر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حسنین کریمین علیہما السلام کی طرح ائمہ اہل بیت اور بالخصوص حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سیرت و صورت میں اپنے جد امجد حضور خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کا عکس جمیل تھے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم نے جس طرح تذکروں میں پڑھا اسی طرح اپنے شیخ قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدینؒ کو حسن وخلقِ محمدی ﷺ کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پایا۔ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہر شخص آپ کی پروقار شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوجاتا تھا۔ آپ کی مجلس میں جلال و جمال کی کیفیات کا یکساں غلبہ رہتا۔ ہر آنے والا اپنی ہستی، مرتبہ اور جاہ و منزلت

بھول جاتا اور گلستانِ محمدی ﷺ کے اس سدا بہار پھول کی دلنشین مسکراہٹوں سے بکھرنے والی کیف آور مستی میں ڈوب جاتا۔ آپؒ محض کہنے کی حد تک شہزادہ غوث الوریٰ نہیں تھے بلکہ فی الواقع آپ کا پیکرِ دلربا سر سے پاؤں تک جمال و جلال غوثیت مآبؓ کا پرتو تھا۔ چہرہ مبارک بیک وقت انوار و تجلیات الٰہیہ کا مظہر بھی تھا اور حسن و جمال مصطفوی ﷺ کا پرتو بھی۔ جب انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کی بارش ہورہی ہوتی تو وہ الوہی جلال کا مظہر لگتا جسے نظر بھر کر دیکھنا بھی محال ہوتا اور جب اس پر حسنِ مصطفوی ﷺ کی بہار ہوتی تو ان کی تبسم کناں صورت نظروں سے گزر کر دل میں اتر جاتی۔ دل چاہتا یہی صورت پیشِ نظر رہے اور دید و دل دیدار کے جام نوش کرتے جائیں۔

مخزنِ علم و عرفان

حضور پیر صاحبؒ کے پاس وقت کے حکمرانوں سے لے کر عام سائلین تک ہر شعبہ زندگی کے لوگ حاضر ہوتے، ان میں اکثر دعا کے لیے عرض کرتے اور آپ دعا فرمادیتے۔ بعض لوگ عمداً یا احتیاجاً مختلف مسائل پر آپ کی رائے بھی لیتے یا پھر بات سے بات چل نکلتی، دونوں صورتوں میں آپ مخاطب کی ذاتی، علمی، خاندانی اور پیشہ وارانہ حیثیت کو سامنے رکھ کر سیر حاصل گفتگو فرماتے بلکہ ہم نے تو اکثر یہ دیکھا ہے کہ آپ سر جھکا کر بیٹھے ہوتے اور آپ کی نیچی نگاہیں حاضرین کے دل و دماغ میں اٹھنے والے سوالات کا تعاقب کررہی ہوتیں اور زبان مبارک ٹھہر ٹھہر کر لعل و جواہر کے موتی بکھیرتی چلی جاتی۔

آپ کی محفل میں ہر آنے والے کو حسبِ حال مراد مل جاتی۔ گویا علماء کو علم کے موتی، حکماء کو حکمت و تدبر کے جواہر اور اہلِ عشق و محبت کو قرب و نظر کا سکون و قرار میسر آتا۔ آپ کی محافل و مجالس علم و معارف کا ایسا متنوع خزانہ تھیں جہاں پوری دنیا کی ثقافت، سیاست، معیشت اور تاریخ زیر بحث آتی۔ آپؒ کی گفتگو میں تصوف و روحانیت کے اسرار و رموز بھی ہوتے اور معاصر علمی افکار پر سیر حاصل تبصرے بھی۔ آپ سے دنیا کے جس خطے کا بھی آدمی ملتا، آپ اس کے ساتھ وہاں کی صنعت و حرفت، عادات و خصائل اور زبان و ادب اور تاریخ پر کھل کر اظہار خیال فرماتے۔

علمی تبحر اور استحضار

علم شریعت کے بغیر فقر و درویشی اور ولایت کو حاصل کرنے والوں کی اکثریت کفر و ضلالت میں ٹھوکریں کھاتی ہے۔ یہ تو ہے ظاہری علوم کی فضیلت۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اس علم کے علاوہ خصوصی ''علمِ لدنی'' سے بھی نوازتا ہے جس طرح وہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو علم و معرفت کے سمندروں سے نوازتا رہا۔ یہی علم اولیاء اللہ کی بصیرت اور فراست سے جھلکتا ہے۔ سیدنا طاہر علاؤالدینؒ کو بھی اسی علم و معرفت کے خزانے سے نواز رکھا تھا۔ آپؒ مسائل پر ائمہ اربعہ کی آراء سے پوری طرح آگاہ تھے۔ تاہم اکثر و بیشتر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دیتے۔ علاوہ ازیں امہات الکتب، تفاسیر، احادیث اور عقائد سے متعلق ذخیرہ کتب پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ اس ضمن میں کئی شواہد درج کیے جاسکتے ہیں۔ آپ کے قابلِ فخر عقیدت مند اور مرید بامراد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضور پیر صاحب کی بارگاہ میں حاضر تھا، اس دن کاتب موجود نہیں تھا، آپ کا چونکہ معمول تھا کہ ہر روز کی ڈاک دیکھتے اور وضاحت طلب امور کا جواب بھی دیتے۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ آپ خود لکھنے کی بجائے ہمیشہ املاء کرواتے تھے۔ اس دن آپ نے مجھے حکم دیا۔ ڈاک میں ایک عقیدت مند نے ''قصیدہ روحی'' کے بارے میں پوچھا تھا کہ یہ حضور غوث الاعظم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیا واقعی یہ آپؓ کا اپنا کلام ہے یا کسی اور کا؟ آپ نے یہ سوال سن کر مجھ سے فرمایا: ''پروفیسر صاحب! آپ کیا بولتا ہے''؟ میں نے ادباً اپنی رائے محفوظ رکھی اور عرض کیا: حضور جو آپ حکم فرمائیں گے، میری بھی وہی رائے ہوگی۔ آپ نے حسبِ معمول سر جھکا کر تھوڑا توقف فرمایا پھر فرمانے لگے: ''لکھ دو قصیدہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کا ہی ہے۔'' ساتھ ہی آپ نے غوث الاعظمؓ کی مشہور سوانح حیات ''بہجۃ الاسرار'' کے حواشی اور تین چار کتب کے حوالے بھی لکھوادیئے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اندر جا کر وہ کتب بھی لے آئے اور مجھے دکھا بھی دیں۔ میں آپ کے اس استحضار پر حیران رہ گیا۔''

اسی طرح بے شمار مواقع پر جب بھی فقہی، کلامی یا دیگر ادق علمی مسائل پر آپؒ سے رجوع کیا جاتا، آپ اپنا مختصر، واضح اور دوٹوک موقف سامنے رکھ دیتے۔ اس کے بعد ائمہ اربعہ کی آراء محدثین اور مفسرین کا نقطہ نظر اور دیگر ضروری تفاصیل پر گفتگو فرماتے۔ یوں لگتا جیسے آپ کے سامنے امہات الکتب کھلتی جاتی ہیں اور آپ وہاں سے دیکھ دیکھ کر اپنے موقف میں دلائل دیتے جارہے ہیں۔

دراصل اولیاء اللہ کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ ایسے لدنی اور وہبی علوم عطا فرماتا ہے کہ ان کے سامنے علومِ ظاہری کے مجتہد اور فقیہانِ عصر تاب نہیں لاسکتے۔ عرفاء کاملین کے سامنے کتابی علوم ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔

منبعِ فیض سے مضبوط تعلق اور فنائیت

حضور قدوۃ الاولیاء پابندِ شریعت، عارف باللہ اور فنا فی الرسول ﷺ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقین و ایمان کی فراوانی سے نواز رکھا تھا۔ یہ کیفیت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب انسان منبعِ فیض یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم ﷺ سے اطاعت و محبت کا مضبوط تعلق رکھتا ہو اور یہ تعلق اسے اٹھتے بیٹھتے سراپا ذکر بنادے۔ اسی تعلق کو تصوف و طریقت میں ''فنائیت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بامراد مرید کی طرح آپ بھی اپنے جد اعلیٰ حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے فنائیت کی حد تک عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بیعت فرمانے کے بعد جب آپ اوراد و وظائف کی تلقین فرماتے تو ہمیشہ فرماتے: ''تم غوث الاعظمؓ کا مرید ہوگیا ہے۔'' یہ معمولی بات نہیں، بہت بڑے حوصلے، اعلیٰ مقام و مرتبہ اور حضور غوث الاعظمؓ سے قربِ تعلق کی علامت ہے۔

محافل ذکر و نعت میں آپؒ جذب و ضبط کا مجسمہ بنے رہتے لیکن کئی بار دیکھنے میں آیا کہ حضور غوث الاعظمؓ کی منقبت سنتے سنتے ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور بے اختیار وجد آور کیفیت میں ''المدد یا غوث الاعظم المدد یا دستگیر'' کا ورد فرماتے۔ آپ کو اپنے جد اعلیٰ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے جو جذباتی لگاؤ اور موانست تھی اس کا اظہار لفظوں کی زبان سے ناممکن ہے۔

جب بھی دعا فرماتے تو حضور نبی کریم ﷺ اور حضور غوث پاکؓ کے وسیلہ جلیلہ سے مانگتے۔ الغرض آپ کی ہر سانس اور ہر دھڑکن میں ذکرِ الٰہی کے بعد سرورِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ اور سیدنا غوث الاعظمؓ کی یادیں اور ادائیں سمٹ آتی تھیں۔ ان دونوں ہستیوں سے آپؒ کا نہ صرف قابلِ رشک روحانی اور دینی تعلق تھا بلکہ نسبی اور خونی تعلق بھی تھا اور یہ نسبت کوئی عام نسبت نہیں، بہت بڑی سعادت اور منفرد شرف ہے جس پر آپ جتنا ناز کرتے، کم تھا۔

آپ اس نسبت کی لاج بھی رکھتے اور ہمیشہ اس کا ادب و لحاظ بھی فرماتے۔ ہر فضل و کمال کی نسبت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا غوث الاعظمؓ کی طرف منسوب فرماتے۔ یہ آپ کا اظہار عجز بھی تھا اور مقامِ محبت و فنائیت بھی۔

اہلِ پاکستان کے لیے یہ بھی سعادتِ عظمٰی ہے کہ حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے فیوضات کا یہ چشمہ اب ہمیشہ کے لیے سرزمین لاہور میں جاری ہوگیا ہے۔ دربار شریف کے قرب میں واقع ''منہاج القرآن تربیتی مرکز'' ایک عالمی تربیتی مرکز ہے، جہاں ہر سال دس روزہ عشرہ اعتکاف میں ہزاروں معتکف پوری دنیا سے شریک ہوتے ہیں اور سالانہ روحانی اجتماع میں لاکھوں عقیدت مند حاضر ہوکر روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں ایک عظیم الشان تحفیظ القرآن کالج بھی قائم ہوچکا ہے۔ یوں حضور قدوۃ الاولیاءؒ کے فیض و برکت کی شعاعیں تیزی کے ساتھ اطراف و اکناف عالم میں پھیل رہی ہیں۔ اسی مقام پر اب تصوف و روحانیت کی تعلیم کے لیے عظیم الشان خانقاہ ''خانقاہ غوثیہ'' تعمیر ہورہی ہے۔ جس کی سرپرستی براہ راست حضور قدوۃ الاولیاءؒ کے صاحبزادگان السید محمود محی الدین الگیلانی، السید عبدالقادر جمال الدین الگیلانی اور السید محمد ضیاء الدین الگیلانی فرمارہے ہیں۔ یہ عظیم روحانی خانقاہ ان شاء اللہ العزیز اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی نقیب ٹھہرے گی۔

❁❁❁❁❁

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی اور روحانی مقام

محمد شفقت اللہ قادری☆

قسطِ اوّل

انسانی امتیاز کا قرآنی پس منظر

جب تخلیقِ آدم کا مرحلۂ تشکیلِ خمیرِ بشریت آیا تو خالقِ ارض و سماوات نے عزرائیل علیہ السلام کو فرشِ ارضی تا تحت الثریٰ یک مشت خاکِ طبقاتِ ہفت پیش کرنے کا حکم دیا، سو عزرائیل علیہ السلام نے تعمیلِ حکمِ یزدانی میں یک مشت مٹی حاضر خدمتِ الٰہِ عظیم کر دی۔ یہاں ایک لطیف نقطۂ منطق صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنے لگا ہوں کہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان اس مٹی سے تخلیق ہوا ہے جو سات طبقات ارضی کا مجموعہ تھی۔ علاوہ ازیں خالقِ عظیم نے تین مزید مرکبات کو خاکِ مطلوبہ میں داخل کیا جن میں آگ، پانی اور ہوا شامل ہیں۔ تخلیقِ آدم سے قبل مٹی، آگ، پانی اور ہوا موجود تھے۔ اسی عناصرِ اربعہ کے مرکباتی ملغوبہ سے خمیرِ آدم تشکیل دیا گیا۔ قارئین یہ وضاحت کرتا چلوں کہ لفظ ملغوبہ کی وجۂ تسمیہ کیا ہے اور کیوں زینتِ قرطاس بنایا گیا ہے؟ مٹی، آگ، پانی اور ہوا ہر چہار عناصر کی علیحدہ علیحدہ تاثیر ہے اور ہر عنصر ایک الگ حرکت پذیری رکھتا ہے۔ مگر حیرت ناک کرشمۂ خدائی کے باعث ہر عنصر کا ایک الگ فطری ردِعمل کا حامل ہونے کے باوجود ایک قالب آدمِ خاکی میں مقید ہو کر اپنے ردِعمل سے معذور ہونا اور ایک دوسرے پر تاثیری اعتبار سے غلبہ حاصل کر لینا اور ایک خاص سمجھوتے کے تحت خاص دائرہ کار میں مشغول رہنا، سبھی خدا تعالیٰ کی تخلیقی حکمت اور ضرورت ہے کیونکہ تاثیری حیرت ناکی یہ ہے کہ:

۱۔ انسانی جسم میں عنصر اول مٹی (تراب) Inorganic matter پستی پسند عنصر ہے۔ مٹی اوپر جا کر بھی پست نشینی اختیار کرتی ہے۔

۲۔ انسانی جسم میں عنصر دوم ''آگ'' (fire) ہے۔ جس کی تاثیر حرارت ہے اور آگ کی فطرت بلندی کی طرف مائل ہونا ہے۔ قرآنی نقطہ یاد کریں کہ یہ وہی حرارت ہے جس نے مٹی کے گارے کو ٹھکری کی طرح بجنے والا بنایا۔

۳۔ انسانی جسم میں موجود عنصر سوم پانی (water) ہے جو بے رنگ، بے ذائقہ اور بے بو ہونے کے باوجود اہمیت اور تاثیری اعتبار سے بحالئ زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ انسانی جسم میں تقریباً 70 فی صد پانی موجود ہے اور پانی کی ایک تاثیر یہ ہے کہ قرآنی نقطہ نظر سے یہ ایک طرف وجۂ زندگی اور وجۂ تخلیق ہے اور دوسری طرف پانی ایک فطرتی تاثیر یہ بھی رکھتا ہے کہ جب بپھر جائے تو بڑے بڑے بند توڑ دیتا ہے۔ جب سیلاب بن جائے تو اس کے سامنے نبرد آزمائی بے سود ہے اور پھر ضرورت کے وقت وہ اپنا راستہ خود بناتا ہے اور روکنے پر نہیں رکتا۔ اگر عقلی حوالے استعمال کیے جائیں تو جس برتن میں ڈالو، اس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہی پانی حکمِ الٰہی سے ابرِ رحمت کی صورت میں زندگی بن کر برستا ہے۔

۴۔ انسانی جسم میں عنصر چہارم ہوا (air) ہے۔ ہوا انسانی جسم میں زندگی کی حامل شے اور عجوبہ قدرت ہے۔ حیاتِ انسانی کا

☆ سینئر ریسرچ اسکالر، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور

نظامِ تنفس یہی ''ہوا'' ہے۔ انسان ایک منٹ میں زندہ رہنے کے لئے اٹھارہ مرتبہ سانس لیتا ہے۔ کبھی ہم نے سوچا ہے کہ:

سانس کیا ہے؟ جی ہاں، سانس حبابِ باد ہے یعنی وہ ہوا ہے جو مخصوص، محدود اور مقررہ وقت میں اندر جا کر باہر آتی ہے۔ جس سے ایک سانس کا فطری دورانیہ تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ ہوا بھی بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ ہونے کے باوجود زندگی رسانی کے علاوہ زمیں سے جانبِ افلاک سفر طے کرتی ہے۔ بپھر جائے تو پانی اور آگ کی طرح بے قابو ہو جاتی ہے اور اگر مٹی بھی اپنی مرکبی اصلیت چھوڑ دے تو یہی ہوا اسے زمیں سے آسمان کی طرف لے جا کر چھوڑ دیتی ہے۔ اگر مٹی پر ہوا غالب آ جائے اور اسے اڑا کر لے جائے تو ایک طوفانِ خاکی جسے آندھی کہتے ہیں، اس کا سبب بن کر تباہی کا موجب بنتی ہے۔ یہ امر قابلِ صد غور ہے کہ جب ہوا سانس کی صورت اندر جاتی اور باہر آتی ہے اور نفسی سلسلہ بحال رہتا ہے اور جب ہوا اندر سے باہر آ کر پھر اندر نہ جائے تو زندگی کی گھڑی تھم جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

الغرض کہ مٹی سراپا خنکی، آگ کلیتًا حرارت، پانی مرطوب اور ہوا رطوبتِ جسمانی کو اڑانے والی یعنی کہ سب کے سب ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود خدا عظیم نے انہیں جسمِ انسانی میں مقید کر کے اپنی منشاءِ ربوبیت کے تحت اپنے اپنے کاموں میں مصروف کر رکھا ہے۔ ہاں! اگر عقلِ انسانی کا غلبہ رہے تو انسان ان عناصرِ اربعہ کو اپنی مرضی سے اپنے تابع رکھ سکتا ہے۔

جی ہاں جب خمیرِ آدم بشریت کے مختلف مراحل سے گزر کر منشاءِ ایزدی کے مطابق پاک و صاف اور مزکیٰ و مصفیٰ ہو چکا اور اپنی مصفیٰ جوہری حالت کو پہنچا تو خالقِ ارض و سماوات و جن و انس نے creation of first man روئے زمین پر پہلے انسان کی تخلیق فرمائی (احسن تقویم پر پیدا کیا)۔ عظیم شاہکارِ انسانی کو اسمِ آدم ؑ سے گردانا گیا اور قرآنی نام، آدم ٹھہرایا گیا۔ پھر خالقِ عظیم نے اپنی خاص حکمت اور منشاء کی تکمیل کے لئے اپنے خاص فضل کے تحت روئے کائنات کی تمام اشیاء کے نام قلب و ذہنِ آدم ؑ کو سکھا دیئے۔ قرآن عظیم مخاطب ہوا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرة،۲:۳۱)

اور اللہ نے آدم (ؑ) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہوo

اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن کہتا ہے:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُo (البقرة،۲:۳۲)

فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہےo

خالق کائنات نے حکمتِ ثلاثہ کے تحت فرمایا:

يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَo (البقرة،۲:۳۳)

اے آدم! (اب تم) انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو، پس جب آدم (ؑ) نے انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا تو (اللہ نے) فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہوo

پھر خالقِ ارض و سماوات نے حکمتِ اربعہ کے تحت فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَo(البقرة،۲:۳۴)

اور (وہ وقت بھی یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (ؑ) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار اور تکبر کیا اور (نتیجتًا) کافروں میں سے ہو گیا۔

دعا و استدعائے بنی نوع آدم کا قرآنی اسلوب

احبابِ محتشم! آپ کو طویل تمہید عنوان سے گزارنے کا مقصد منشاءِ الوہی اور حکمتِ یزداں آشکار کرنا ہے۔

وہ خاص حکمت یہ ہے کہ بنی نوعِ آدم کو اشرف المخلوقات

اور مخلوقاتِ عالم میں سرفراز و عفت مآب بنایا۔ اس کی قرآنی استدلالی وجہ جو قرآن نے خود فرما دی ہے کہ وہ فقط فوقیتِ علم ہے۔ اس علم سے مراد جو کتابوں اور استادوں کا پڑھایا ہوا علم ہرگز ہرگز نہیں ہے بلکہ علمِ لدنی ہے جو کسی استاد سے پڑھے بغیر القاءِ قلب و ذہن ہو۔ یاد رکھیں کہ اسی علمی عطائے خاص اور القائے الوہی اور الہامی نے انسانِ اول حضرت آدمؑ کو مقرب فرشتوں میں ممتاز و مرتفع کر دیا۔ نجانے ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ علمِ لدنی اور علمِ غیب فقط خداوند کریم کی عطا اور آقائے دو جہاںﷺ کی میراث ہے۔ تاہم جس پر فضل اور خیراتِ الوہی ہو جائے وہ نوازا جاتا ہے اور قرآن نے سورہ فاتحہ میں دو طبقاتِ بنی نوعِ آدم کی نشاندہی بھی فرما دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَo (الفاتحہ، ۱: ۵)

ہمیں سیدھا راستہ دکھاo

بروئے قرآن پہلا انسانی طبقہ: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْo (الفاتحہ، ۱: ۶)

اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایاo

بروئے قرآن دوسرا انسانی طبقہ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ.

ان لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے۔ (الفاتحہ، ۱: ۷)

بروئے قرآن تیسرا انسانی طبقہ: وَلَا الضَّآلِّيْنَo (الفاتحہ، ۱: ۷) ”اور نہ ہی گمراہوں کا۔“

اگرچہ تیسرا طبقہ دوسرے طبقے میں بھی شمار ہوتا ہے، تاہم ہم نے یہاں وضاحت کے لیے الگ طبقے کے طور پر بیان کیا ہے۔

جب تخلیقِ آدمؑ ارتقائی مراحل سے بتدریج گزرنے کے بعد تکمیل و منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئی اور خالقِ ارض و سماوات نے خاص روح پھونکی۔ اس کا حکمِ قرآنی ملاحظ ہو:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَo (الحجر، ۱۵: ۲۹)

پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔

سو حکمِ یزدانی پر ایسا ہی ہوا۔ سب فرشتے حضرت جبریلؑ کی قیادت میں سجدہ میں پڑ گئے۔ قابلِ ذکر جو بات میری دانست میں ہے وہ یہ کہ اس سجدۂ تعظیمی اور مرتفاعِ آدمیت کا سبب اور وجہِ فوقیت اشرف المخلوقی علم لدنی (خدا تعالیٰ کی طرف سے علم خاص) تھا۔

اب ہم قرآنی ہدایت کی روشنی میں روحانی، علمی، کرامتی اور فیوضاتی عطاؤں کے حامل نابغہ عصر، الماسِ علمی فیض یاب خیراتِ علمِ لدنی اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی عملی تفسیر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کا ذکر کریں گے۔

جب خالق نے آدمؑ کو اشرف المخلوقی عطا کی جس کی منطقی اور حقیقی وجہ فقط مقصدِ تخلیقِ کائنات، روحِ جانِ عالم ہائے ہفت، محبوبِ خدا حبیب کبریاﷺ محمد رسول اللہ کا شرفِ انسانیت اور فضیلتِ بشریت کے لباسِ نور میں ملبوس عالمِ اجسام میں نور افروز ہونا ہے۔ تاہم اشرف المخلوقی امتِ محمدیہ کے پیش نظر آدمؑ کو مولائی صفات کے روحانی کمالات ودیعت کرکے اپنے مقرب فرشتوں سے افضل ثابت کرنے کے لئے علمِ لدنی یعنی کل اشیاء کے اسماء سکھائے اور دو فضیلتیں ودیعت فرمائیں:

۱۔ تزکیہ نفس ۲۔ تصفیہ باطن

شیخ الاسلام نے فرشتوں سے شرفِ فضیلت کا سبب تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن کو گردانا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت ابلیس نے مقربِ بارگاہ ہونے کے باوجود حکمِ الٰہی (خالق) کی حکم عدولی کرکے تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن کی نفی کر دی اور راندہ درگاہ ہوگیا۔ آدمؑ نے حکمِ الوہی صدقِ روح سے تسلیم کرکے تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن کا ثبوت دیا۔

انسانی امتیاز کا معاشرتی اصلاحی پس منظر

مخفی سرِ انسانیت اصولی اور ایمانی طور پر فقط دو چیزوں میں مضمر ہیں: ۱۔ اخلاقِ حسنہ ۲۔ علمِ نافع

کیونکہ ہمارے آقائے دو جہاں سرکار مدینہﷺ نے فرمایا: اخلاقِ حسنہ ایمان کی پہچان اور خوب سیرتی انسان کی شان ہے۔ حضور انور کے اخلاقِ طیبہ ہمارے لئے عملی اور کامیاب زندگی گزارنے کی ایمانی ضمانت ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍo (القلم، ۶۸: ۴)

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)o

اور جب حضرت اماں عائشہ صدیقہ ؓ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ ؓ نے فرمایا:

کان خلقه القرآن.

سارا قرآن (یعنی اُس کی ہر آیت) حضور ﷺ کا اخلاق ہے۔

اخلاقی برتری اور فضیلت ہی انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز و مرتفع کرتی ہے کیونکہ طبعی اعتبار سے اور وجود کے لحاظ سے انسان دوسرے حیونات سے مختلف نہیں، لیکن جو چیز انسان کو حیوان سے اوپر اٹھاتی ہے اور اسے اشرف المخلوق کے درجہ پر تمکن عطا کرتی ہے، ان میں سے ایک اخلاقِ کامل ہے۔ اخلاقِ کامل میری نظر میں اسوۂ رسول محتشم ﷺ ہے۔ دوسرے نمبر پر جو چیز انسانی عظمت اور عفت یابی کی اہم وجہ ہے، وہ مرتفاعِ علمی برتری ہے جس کے سبب فرشتوں میں فضیلت اور زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ بنا کر انسان کو بھیجا گیا۔ یہ علم ہی ہے جس نے آسمانوں پر روبرو خالقِ عظیم فرشتوں کو سجدہ آدم کرنے پر مجبور کیا اور یہی علم زمین پر بڑے بڑے زور آور اور فرعون طبع انسانوں کو علم کے آگے سجدہ ریز کر دیتا ہے۔

ضرورتِ معاشرتی بیداریِ شعور!

یاد رکھیں! ہر دور میں اصلاحِ معاشرہ معاشرتی المیہ رہا ہے اور دورِ حاضر کا المیہ بھی یہی ہے۔ جب اسلامی معاشرہ اخلاقی انحطاط اور علمی بے راہ روی کا شکار ہو کر زوال پذیر ہو جائے تو پھر چھوٹے موٹے اخلاقی حربے اور علمی ٹوٹکے کارگر ثابت نہیں ہوتے بلکہ ایک مصلح (reformer) اور نجات دہندہ کی ضرور ہوا کرتی ہے جو معاشرتی بیداریِ شعور کے ذریعے معاشرے کے ظاہر پر نہیں بلکہ روح میں اتر کر اصلاحات کا اہم فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ یاد رکھیں! امت محمدیہ کے مصلح کا حکیم الامت ہونا ضروری ہے۔ یعنی کہ بیمار معاشرے کی روحانی امراض پر کامل تشخیص اور اس کے کامل علاج پر دسترس رکھتا ہو۔ مصلح (reformer) جہاں معاشرتی و روحانی امراض کے مختلف اسباب تلاش کرتا ہے وہاں اسلامی مصلح (Islamic reformer) اسلامی معاشرے میں دینی بیداری کی اصل وجہ بھی کھوجتا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ معاشرتی اور اخلاقی زبوں حالی کی ایک اہم ترین وجہ متضاد اور متعارض انتہا پسندانہ معاشی اور سیاسی نظریے کے ساتھ علمی اور فکری اِنتشار ہے۔ یہ ایک جاں گسل المیہ کے طور پر چیلنج بن کر نصف صدی میں نہ صرف اُبھرا بلکہ معاشرے کو مادہ پرستی، تشکیک، لادینیت اور بیزاریِ دین سے دو چار کر دیا۔

دوسرا چیلنج فکری نظریاتی تھا، وہ یہ کہ تجدد پسند علمی روشن خیالی، حریتِ فکر کے خود ساختہ خوبصورت لیبل لگائے احباب دانش نے نظریاتی افکار کی تشریح قرآن وسنت کی منشاء اور معاشرتی ضرورت کے برعکس کر کے قوم اور معاشرے کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ معاشرہ مجموعی طور پر مصنوعی نظام تنفس کی جانب بڑھنے لگا ہے یعنی کہ اسلام ventilator (مصنوعی نظامِ تنفس) پر چلنے لگا۔ اب اہل سنت والجماعت کے لئے بالخصوص اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے بعد علمی و تجدیدی (reformative) اور نظریاتی اعتبار سے خلا بڑھنے لگا، ایسے میں قانونِ فطرت ہے کہ خالق عظیم قوموں اور معاشروں کی تہذیبی، اخلاقی و نظریاتی اصلاحات (reforms) کے لئے ایک کامل مصلح (reformer) منصۂ شہودِ علمی پر جلوہ گر فرما دیتا ہے۔ پھر وہ علمی و تجدیدی وراثت انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث اور امین کے طور اس زیر بھنور ڈوبتے سفینۂ علم وفکر اور احیاء وتجدید کو سنبھالتا ہے۔

الحمد للہ! اس دورِ انحطاط اور افراط وتفریط میں اس سفینے کو جس نے کنارہ علم وحکمت، احیاء وتجدید اور اجتہاد نصیب کیا وہ مجتہد عظیم، مجدد عصر، مصلحِ امتِ محمدیہ (Reformer of islamic umma)، منتہی علوم شرعیہ، منطقة البروج الاسلام، میری مراد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ آپ نے اپنی علمی و روحانی، فکری و نظریاتی اور کشفی فیوضاتی حکمت اور منصوبہ بندی کو بروئے کار لاتے ہوئے گزشتہ نصف صدی میں زیرِ گرداب سفینۂ ایمان اور اسلام کو از سرِ نو ساحلِ امن وتجدید حقیقی سے نہ صرف روشناس کرایا بلکہ اخلاقی، علمی اور معاشرتی طور پر نشاۃِ ثانیہ سے ہمکنار کیا ہے۔

(جاری ہے)

منہاج القرآن رجوع الی القرآن کی عالمگیر تحریک ہے

کورونا وائرس کی وباء کے دوران تحریک منہاج القرآن کے آن لائن تعلیمی و تربیتی کورسز

نظامت تربیت، شعبہ کورسز کے زیر اہتمام عربی لینگویج، عرفان التجوید، فن قرأت، عرفان الفقہ اور فنِ تقریر کورسز کامیابی کے ساتھ بلاتعطل جاری ہیں

رپورٹ: علامہ محمود مسعود قادری

تحریک منہاج القرآن کے اہداف عالیہ میں سے ایک عظیم ہدف رجوع الی القرآن ہے۔ روز اول ہی سے بانی تحریک شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے اس تحریک کا خمیر قرآن حکیم سے اٹھایا ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ عامۃ الناس کا قرآن کریم سے ربط و تعلق استوار کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ جس میں انہیں صحتِ لفظی کے ساتھ قرآن پڑھنا، گہرے فکر و تدبر کے ساتھ ترجمہ قرآن، علوم الحدیث سے شناسائی اور ابلاغ کا طریقہ سکھایا جائے۔ امت کی ایک ایسی اکثریت تک ان علوم کی رسائی ممکن بنانا جنہیں براہِ راست مدارسِ دینیہ سے ان علوم کی تحصیل کا موقع نہیں ملتا۔

مقامی سطح پر جا کر ان علوم و فنون کو سکھانے کا اہتمام کرنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہدایات کی روشنی میں نظامتِ تربیت تحریک منہاج القرآن میں شعبہ کورسز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس شعبہ میں علامہ حافظ محمد سعید رضا بغدادی کی سربراہی میں علامہ محمود مسعود قادری (مرکزی کوآرڈینیٹر کورسز)، علامہ محمد سرفراز قادری (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر) اور علامہ حسن محمود جماعتی (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر) خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ شعبہ کورسز کے زیر اہتمام ملکی، صوبائی اور ضلعی سطح پر قرآن و حدیث پر مشتمل شارٹ کورسز کا انعقاد کیا گیا۔ ملکی، صوبائی اور ضلعی سطح پر ڈپلومہ ان قرآن سٹڈیز کے کیمپس کے ذریعے پندرہ ہزار معلمین و معلمات تیار کیے گئے جن کے ذریعے ملک کے طول و عرض میں لاکھوں افراد تک علومِ قرآنیہ کے انوار کو پہنچایا گیا۔ شعبہ کورسز کے زیر اہتمام منعقدہ جملہ کورسز کو تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد اور دنیا بھر سے مرد و خواتین کے ہاں یکساں پذیرائی حاصل ہوئی۔

جب سال 2020ء میں کرونا وبا اور عالمی سطح پر لاک ڈاؤن کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے تو اس موقع پر تحریک منہاج القرآن کے شعبہ کورسز نے لوگوں کے وقت کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے آن لائن درج ذیل تدریسی کورسز کا اہتمام کیا، جن کو دنیا بھر میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی:

۱۔ عریبک لینگویج کورس

لاک ڈاون کے دوران سب سے پہلا منعقد ہونے والا کورس عریبک لینگویج کورس تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد کورس تھا جس میں دنیا بھر سے 120 ممالک کے 8 ہزار افراد نے بذریعہ آن لائن داخلہ لیا۔ کورس کے لیکچرز منہاج القرآن کے آفیشل فیس بک پیج پر براہ راست نشر کیے گئے جن کی یومیہ Reach اوسطاً ایک لاکھ سے زائد رہی۔ 25 روزہ اس کورس کی روزانہ ایک گھنٹہ کلاس میں محترم حافظ محمد سعید رضا بغدادی (ڈائریکٹر کورسز) نے نے عربی گرائمر، روزہ مرہ زندگی کے معمولات پر مکالمہ جات اور الفاظ و معانی کی تدریس کی۔

۲۔ عرفان التجوید و القرأۃ کورس

رمضان المبارک سال 2020ء میں عرفان التجوید و القراۃ

کورس کا اہتمام کیا گیا جس میں دنیا بھر سے پانچ ہزار افراد نے رجسٹریشن کروائی۔ اس کورس کے لیکچرز منہاج ٹی وی پر نشر کیے گئے۔ بیس روزہ اس کورس میں مدارس دینیہ میں مروجہ دو سالہ نصاب تجوید بیس دن میں مکمل پڑھایا گیا۔ جس میں قواعدِ تجوید کے ساتھ ساتھ قرأت کی عملی مشق بھی کروائی گئی۔ اس کورس میں محترم حافظ محمد سعید رضا بغدادی (ڈائریکٹر کورسز) نے تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

۳۔ فنِ خطابت و نقابت کورس

علماء، طلبہ اور عوام الناس کیے لئے فنِ خطابت اور حسنِ کلام کی اہمیت کے پیش نظر 15 روزہ فنِ خطابت و نقابت کورس کا اہتمام کیا گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے دورانیہ پر مشتمل کلاس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس کے پہلے حصے میں خود اعتمادی کے حصول کا طریقہ اور موضوعات کی تیاری کے طریقہ کار پر محترم محمود مسعود قادری (مرکزی کوآرڈینیٹر کورسز) نے تدریس کی۔ جب کہ دوسرے حصے میں محترم علامہ محمد سرفراز قادری (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر) نے خطابت و نقابت کی عملی مشق کروائی۔ عوام کے بھرپور اصرار پر اور پذیرائی پر یہ کورس دو مرتبہ منعقد کیا گیا۔ جس میں 600 سے زائد افراد نے شرکت کی۔

۴۔ عالمی فنِ قرأت کورس

یہ کورس اپنی نوعیت کا پہلا منفرد، تاریخی اور عالمی کورس ہے۔ جس میں دنیا بھر سے فنِ قرأت کے جیدترین اساتذہ کرام نے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر دنیا بھر سے ہزاروں افراد کو فن تجوید و قرات کی تدریس کی۔ اس کورس میں قواعدِ تجوید کی تدریس محترم حافظ محمد سعید رضا بغدادی نے کی جبکہ فضیلۃ الشیخ محمود سمیر خطاب (مصر)، فضیلۃ الشیخ حاج مہدی حسنی (ایران)، فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد المعین محمد اکرام (مدینہ منورہ)، فضیلۃ الشیخ قاری سید صداقت علی (پاکستان)، فضیلۃ الشیخ قاری کرامت علی نعیمی (پاکستان)، فضیلۃ الشیخ قاری سید خالد حمید کاظمی الازہری (پاکستان)، فضیلۃ الشیخ قاری اللہ بخش نقشبندی (پاکستان)، قاری نور احمد چشتی (پاکستان) اور قاری محمد عثمان قادری (پاکستان) نے صحتِ تلفظ کے ساتھ قرأتِ قرآن اور خصوصی طور پر لہجات و مقاماتِ قرآن کی عملی مشق بھی کروائی۔

۵۔ عرفان الفقہ کورس

دورِ جدید میں پیش آمدہ نت نئے مسائل اور عوام کی بنیادی فقہی ضروریات کے پیش نظر جنوری 2021ء میں عرفان الفقہ کورس کا اہتمام کیا گیا۔ اس کورس میں تعارفِ فقہ، قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہ کی ضرورت و اہمیت ، فقہاء اور مذاہب اربعہ کے تعارف کے علاوہ اصول فقہ، طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وعمرہ، نکاح و طلاق، تجہیز و تکفین اور جدید مسائل کے ساتھ ساتھ آداب و معاملات کے موضوعات پر تدریس کی گئی۔اس کورس میں مفتی اعظم منہاج القرآن مفتی عبد القیوم خان ہزاروی، شیخ القرآن و الحدیث پروفیسر محمد نواز ظفر چشتی، علامہ محمود مسعود قادری (مرکزی کوآرڈینیٹر کورسز)، علامہ محمد سرفراز قادری (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر) اور علامہ حسن محمود جماعتی (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر) نے تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

۶۔ سفرِ نور کورس

امسال رمضان المبارک میں پہلی دفعہ قرآنی انسائیکلوپیڈیا کے مضامین پر مشتمل دورۂ قرآن بعنوان ''سفر نور کورس'' کا انعقاد کیا گیا۔ ایک ماہ کے دورانیے پر مشتمل اس کورس میں روزانہ دو گھنٹے کی کلاس میں حافظ محمد سعید رضا بغدادی (ڈائریکٹر کورسز) نے تجوید القرآن، عربی گرامر، لغت القرآن، علوم القرآن، تفسیر القرآن، بالخصوص قرآن کے اخلاقی، روحانی، علمی، فکری، اصلاحی، تنظیمی، تحریکی و انقلابی، انفرادی و عائلی اور سماجی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا۔ جسے ہر خاص و عام کی طرف سے بھر پور پذیرائی حاصل ہوئی۔ سفر نور کورس میں 700 فیملیز نے دنیا بھر سے رجسٹریشن کروائی۔ اس کورس کے لیکچرز کو یوٹیوب پر بھی لائیو نشر کیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر سے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔ اس کورس میں پاکستان سمیت امریکہ، انگلینڈ، جرمنی، فرانس، ڈنمارک، ناروے، عرب امارات، قطر، عمان، ہانگ کانگ، سعودی عرب، انڈیا اور مقبوضہ جموں کشمیر سے شرکاء نے شرکت کی۔

اختتامی تقریب سفرِ نور کورس

اس کورس کی اختتامی تقریب 3 جون 2021ء کو مرکزی سیکرٹریٹ پر منعقد ہوئی جس میں پاکستان کی معروف علمی وروحانی ، صحافتی و ادبی اور کاروباری شخصیات شریک ہوئیں جن میں محترم صاحبزادہ سلطان احمد علی (سجادہ نشین حضرت سلطان باھو)، محترم آغا جعفر روناس (ڈائریکٹر جنرل خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران)، محترم آغا سید جواد حسین نقوی (سربراہ جامعہ عروۃ الوثقی لاہور)، محترم علامہ ڈاکٹر راغب حسین نعیمی (ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ لاہور)، امجد چوہدری (چیئرمین لاہور بزنس مین فرنٹ)، سید عظمت علی شاہ (کوآرڈینیٹر گورنر پنجاب برائے بزنس کمیونٹی)، محترم بابر بٹ (صدر آل پاکستان سمال ٹریڈرز اینڈ انڈسٹریز)، محترمہ صوفیہ بیدار بخت (معروف کالم نگار)، محترم خرم نواز گنڈاپور (ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن)، محترم پروفیسر سلیم احمد چوہدری (نائب ناظم اعلیٰ تربیت TMQ) اور محترم نور اللہ صدیقی (نائب ناظم اعلیٰ میڈیا افیئرز TMQ) شامل ہیں۔ اس تقریب میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے خصوصی گفتگو فرمائی۔ تقریب میں ڈائریکٹر کورسز حافظ محمد سعید رضا بغدادی نے تحریک منہاج کے بینر تلے رجوع الی القرآن کے عالمی پراجیکٹ کا اعلان کیا۔ تقریب کے اختتام پر ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن محترم خرم نواز گنڈاپور نے شعبہ کورسز کی قرآنی علوم کے لئے خدمات کو سراہا۔ معزز مہمانوں نے رجوع الی القرآن کے اس عظیم مشن کی ترویج و اشاعت کے لیے تحریک منہاج القرآن کے شانہ بشانہ کام کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ ❁❁❁❁

انتقالِ پُرملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزہ و اقارب انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ محترم سرفراز احمد خان (مرکزی ناظم ممبرشپ) کے چچا اور چچا زاد بہن

☆ محترم ملک شمیم احمد خان (ڈپٹی ڈائریکٹر ریسورسز اینڈ ڈویلپمنٹ) کے بہنوئی

☆ محترم محمد افتخار بیگ (صدر TMQ، PP-163 لاہور)

☆ محترم سجاد علی (آفس سیکرٹری ڈائریکٹوریٹ آف پبلک ریلیشنز MQI) کی والدہ محترمہ

☆ محترم ندیم اعوان (ڈپٹی ڈائریکٹر DFA) کی ساس صاحبہ

☆ محترم حاجی منظور حسین مشہدی (ڈائریکٹر پریس اینڈ پبلیکیشنز MQI) کی بھابھی جان

☆ محترم نوراللہ صدیقی (نائب ناظم اعلیٰ میڈیا افیئرز MQI) کے تایا زاد بھائی محترم منور حسین (بحرین)

☆ محترم علامہ حسن محمود جماعتی (سینئر ڈپٹی ڈائریکٹر کورسز) کی والدہ محترمہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک نے مرحومین کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت و بلندی درجات کی خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اظہارِ تعزیت: گذشتہ ماہ محترم محمد حنیف آرائیں (ناظم ممبرشپ TMQ اسلام آباد) کی بھانجی، محترم محمد سلیم قادری (PAT فیصل آباد) کی والدہ محترمہ، محترم اخلاق احمد (کراچی) کے بھائی محترم ملک محمد ظہور (چکوال)، محترم ماسٹر غلام سرور جنجوعہ (سابق ناظم TMQ لالہ موسیٰ) کی والدہ محترمہ، محترم نبی بخش سنجرانی (ناظم رخشان ڈویژن بلوچستان) کے بڑے بھائی محترم میر خدائیداد سنجرانی، محترم علامہ جان محمد بروہی (ضلعی صدر خضدار بلوچستان) کے والد محترم، محترم محمد فاروق اعظم صابری (سابقہ نائب صدر سرگودھا) کی اہلیہ اور محترم سلطان احمد قادری (سابقہ صدر سرگودھا) کے والد محترم قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

نظامتِ تربیت (شعبہ کورسز) تحریک منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام
سفرِ نور کورس کی اختتامی تقریب۔ تصویری جھلکیاں

Monthly MINHAJ-UL-QURAN LAHORE JULY-2021
Regd CPL No.41

Minhaj University Lahore

Chartered by Government of Punjab
Recognized by the HEC in W3 Category
Accredited by PEC

ADMISSIONS OPEN FALL 2021

100% Online Ready University

Admission Office is Open 7 Days a Week

MORNING & WEEKEND PROGRAMS

ADP I Undergraduate I Postgraduate I Ph.D

ADP Programs — MORNING

- Computer Science
- Computer Networking
- Web Design and Development
- Double Math & Physics
- Botany, Zoology & Chemistry
- Islamic Banking and Finance
- Human Resource Management
- Business Administration
- Accounting and Finance
- Commerce
- Mass Communication
- Education
- Arts
- English

BS Programs — MORNING

- Chemical Engineering
- Software Engineering
- Information Technology
- Computer Science
- Data Science
- Artificial Intelligence
- Cyber Security
- Food Science & Technology
- Human Nutrition and Dietetics
- Medical Lab Technology
- Biochemistry
- Mass Communication
- Library & Information Science
- English
- Urdu
- Chemistry
- Physics
- Botany
- Zoology
- Political Science
- Sociology
- International Relations
- Mathematics
- Statistics
- Economics
- Accounting & Finance
- B.Com (4 Years)
- BBA
- Islamic Banking & Finance
- Education
- History
- Pak Studies
- Peace and Conflict Studies

MS/M.Phil/MBA Programs — WEEKEND

- Computer Science
- Food Science & Technology
- Biochemistry
- Clinical Nutrition
- Mass Communication
- Library & Information Science
- English (Linguistics)
- English (Literature)
- Urdu
- Chemistry
- Physics
- Botany
- Zoology
- Political Science
- Sociology
- International Relations
- Mathematics
- Statistics
- Economics
- Accounting & Finance
- Theology & Religious Studies
- Peace & Counter Terrorism Studies
- Management Sciences
- MBA (Professional)
- MBA (Executive)
- Islamic Banking & Finance
- Education
- History
- Pak Studies
- Criminology & Criminal Justice System

Post Graduate Diploma

- Halal Standards and Management Systems
- Peace & Counter-Terrorism Studies

Ph.D Programs — WEEKEND

- Library & Information Science
- International Relations
- Political Science
- Economics
- Mathematics
- Education
- Urdu

APPLY ONLINE https://admission.mul.edu.pk/

Scan QR Code

Main Campus, Madar-e-Millat Road, Near Hamdard Chowk, Township, Lahore

Universal Access Number (UAN)
03 111 222 685
042 35145621-4 Ext # 320, 321

www.mul.edu.pk
admission@mul.edu.pk
MinhajUniversityLahore
officialMUL